اِتباعِ رسولؐ

ازقلم

عبدالکریم مشتاق

ناشر



ابلاغ العمران ایسوسی ایشن انٹرنیشنل پاکستان
امامیہ مسجد حسنین روڈ۔ شباب چوک سمن آباد۔ لاہور

This Book is Scanned for information of our children residing abroad but any body can use it for knowledge

S. Nazar Abbas

نام کتاب	اتباعِ رسولؐ
مصنف	عبدالکریم مشتاق
قلمی اعانت	آنسہ ابن کرن بنگش
ایڈیشن	اوّل ۱۰۰۰
کمپوزنگ	حق برادرز - انارکلی - لاہور
طباعت	شفاف پرنٹرز ۱۶ ایجرٹن روڈ لاہور
ناشر	ابلاغ العمران ایسوسی ایشن انٹرنیشنل پاکستان لاہور
تقسیم کار	العمران بکڈپو شباب چوک سمن آباد لاہور
تاریخ اشاعت	مئی ۱۹۹۴ء
قیمت	۳۰/- روپے

انتساب

اپنے رفیق دارین شہید ڈاکٹر سید ندیم الحسن نقوی ابن استاذی سرکار ادیب اعظم علامہ سید ظفر حسن امروہوی اعلی اللہ مقامہ کے نام جن کو کراچی میں اتباع رسولؐ کے جرم میں مذہبی سفاکی کا نشانہ بنایا گیا۔
اس مطیع فرزندِ رسولؐ پر لاکھوں سلام ہوں۔

احقر
عبد الکریم مشتاق کراچی

التماس

احقر مشتاق قارئین سے عاجزانہ التماس کرتا ہے کہ شہید ڈاکٹر ندیم الحسن کے ایصال ثواب کے لیے اوّل و آخر درود شریف کے ہمراہ ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائیں۔
شکریہ

عن الامام الصادق علیہ السلام

المؤمنون خدم بعضهم لبعض

"مومنین ایک دوسرے کے خدمت گار ہیں"

فہرست



شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا
مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

عرض ناشر

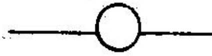
ایلاغ العمران ایسوسی ایشن انٹرنیشنل پاکستان لاہور کی اولین پیشکش "اتباعِ رسولؐ" کے نام سے آپ کے زیب نظر ہے۔ اس ادارہ کا نصب العین "تحفظ قرطاس و قلم" ہے۔ عہد جدید کے تقاضوں کی روشنی میں ہمیں احساس ہوا ہے کہ اسلامی ثقافت کو روشناس کرانے کے لیے ضروری ہے کہ رسولؐ اسلام کے مقام و مرتبہ کی شناخت کروائی جائے۔

کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کی معرفت کے بغیر اسلام کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا محترم عبدالکریم مشتاق نے مخصوص انداز میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبات عالیہ کو قرآن مجید کے آئینہ میں ایسے دلکش اور لطیف اسلوب سے پیش کیا ہے کہ گستاخانِ رسولؐ کے غباروں کی ہوا نکال دی ہے۔ عقلی و نقلی محکم دلائل سے حضورؐ کا نور مجسم ہونا، عالم الغیب ہونا، حاضر و ناظر ہونا نیز آپ کا غایت کائنات اور متصرف ہونا ثابت

کر کے مطیع رسول ؐ کا حقیقی مرتبہ اور اجر بیان کیا ہے۔ عقیدہ و
علوم جدیدہ کے امتزاج سے یہ مرتبہ کتاب یقیناً آج کی اہم ضرورت
ہے جسے ہر اسلامی مکتب مفید قرار دے گا۔

ہماری گزارش ہے کہ مطالعہ کے بعد اپنی قیمتی آرا سے ضرور آگاہ
فرمائیں۔ تاکہ ان کی روشنی میں ہم اپنی اصلاح کر سکیں۔ اور آئندہ بہتر
خدمت کا شرف حاصل کریں۔ شکریہ والسلام

ناشر





ارشاد خداوندی ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم و اللہ غفور رحیم (۳۱ آل عمران) یعنی "(اے رسولؐ! ان لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو کہ خدا بھی تم کو دوست رکھے گا۔ اور تم کو اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔" اس کے ساتھ ہی جاری بیان میں اگلی آیات کا مفہوم یہ ہے کہ: "اے رسولؐ کہہ دو کہ خدا اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرو' پھر اگر یہ لوگ اس سے سرتابی کریں تو سمجھ لیں کہ خدا کافروں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔ بے شک خدا نے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندان ابراہیمؑ اور خاندان عمرانؑ کو سارے جہانوں سے برگزیدہ کیا ہے بعض کی اولاد کو بعض سے اور خدا سب کی سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔"

"اتباع" عربی زبان کا لفظ ہے جو تابعداری' تابع ہونے سے لے کر پیروی' فرماں برداری اور وفاداری کے مفہوم کے لئے بولا جا سکتا ہے۔ اردو زبان میں عربی کے بہت سارے الفاظ کا لب لباب تو سمجھایا جا سکتا ہے لیکن اردو میں وہ وسعت نہیں ہے کہ جس میں عربی الفاظ کا مکمل مفہوم بیان کیا جا سکے۔ اس کی مثال الحمد للہ کے اردو میں ترجمہ سے واضح ہو جائے گی۔ زیادہ تر لوگوں نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "سب تعریف خدا ہی کے لئے سزاوار ہے۔" اس میں غور کریں تو "ال" ہی کا ترجمہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ بہت بلند پروازی ہوئی تو ترجمہ ہو گا "کل" یا "سب" حقیقت یہ ہے کہ اس سے کماحقہ مطلب ادا نہیں ہوتا۔ اب آگے چلئے اور دیکھئے کہ "حمد" کا ترجمہ

اردو زبان کیا کرتی ہے۔ ہمارے پاس ایک ہی لفظ ہے "تعریف" یہ بھی حمد کا ترجمہ نہیں ہے۔ کیونکہ تعریف بجائے خود عربی زبان کا لفظ ہے' جس کو تعارف کرانے' عرفان حاصل کرنے' معرفت' معارف' عارف' عرف' عرفی وغیرہ وغیرہ کے وزن پر تو بولا جا سکتا ہے مگر حمد کا حقیقی مطلب ادا نہیں ہو سکتا۔ مدح' کے لئے بھی ہماری زبان میں سوائے تعریف کے کوئی دوسرا مناسب لفظ نظر نہیں آتا۔ حمد اور مدح میں عربی زبان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح الف لام لفظ اللہ' رب اور عالمین کی کیفیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری زبان کا دامن خاصا تنگ ہے۔ ترجمہ کسی بھی زبان کا ہو' دوسری زبانوں میں بہت دشوار ہوتا ہے۔ اور پھر عربی زبان کا ترجمہ جس کے دامن الفاظ و معنی کی وسعت کی کوئی حد ہی نہیں۔ اور پھر قرآن کا ترجمہ' جس کے ہر ہر جملے' ہر ہر حرف کے کئی معانی ہو سکتے ہیں اور وہ بھی اردو زبان میں جس کے پاس اگر الفاظ ہیں بھی تو دوسری زبانوں سے مستعار لئے ہوئے۔ آمدم بر سر مطلب۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اس قدر بلیغ ہے' اس قدر جامع ہے' اس قدر لطیف ہے کہ خود عرب جن کو اپنی عربی زبان پر اتنا ناز تھا' کہ دوسروں کو گونگے شمار کرتے تھے' کلام پاک کے آگے بے بس ہو کر رہ گئے۔ عرب کے مانے ہوئے ادیب' ملک الشعرا تک کلام پاک کے اعجاز کے آگے سر تسلیم خم کئے بغیر نہ رہ سکے۔ تاہم حسب توفیق و استطاعت اس کٹھن ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کی حتیٰ المقدور سعی کی جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی کے مفہوم کے مطابق اتباع رسولؐ ہی اللہ تعالیٰ کے قرب اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہو سکتی ہے جو خدا کو دوست رکھنا چاہتے ہیں' لیکن خود اللہ تعالیٰ نے اپنی دوستی کی شرط اتباع رسولؐ قرار دی ہے۔ لہٰذا کوئی بھی شخص خواہ وہ تاریخی اعتبار سے یا فکری انداز یا مذہبی حیثیت سے کتنا ہی بلند و بالا کیوں نہ نظر آئے' اگر وہ اتباع رسولؐ کی شرط پر پورا نہیں اترتا تو قرآنی

مفہوم میں وہ بلند نہیں بلکہ پست کہلائے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی کا کتنا ہی دعویٰ کیوں نہ کرے، اگر اتباع رسولؐ کمزور ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی کا دعویٰ محض کمزوری خیال ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی مندرجہ بالا آیات میں، خدا اور رسولؐ کی فرماں برداری سے سرتابی کرنے والوں کو کافر قرار دیا ہے اور فرمایا کہ خدا کافروں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔ محض یہ سمجھ لینا کہ نام کا بھی مسلمان ہو تو وہ کافر نہیں ہے، درست نہیں ہے۔ کیونکہ کلام پاک منافقوں کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ کلام پاک میں ہی ارشاد خداوندی کے مطابق منافق جہنم کے بدترین درجے میں ہوں گے۔ اگر سورۂ منافقون پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ "اے رسولؐ جب تمہارے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو اقرار کرتے ہیں کہ آپؐ یقیناً خدا کے رسول ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو مگر خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین ضرور جھوٹے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے تو اسی کے ذریعے سے لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ بے شک یہ لوگ جو کام کرتے ہیں برے ہیں۔ یہ اس سبب سے کہ ظاہر میں ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر گویا مہر لگا دی گئی ہے تو اب یہ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب تم ان کو دیکھو گے تو تناسب اعضاء کی وجہ سے ان کا قد و قامت تمہیں بہت اچھا معلوم ہو گا اور اگر گفتگو کریں گے تو ایسی کہ تم توجہ سے سنو۔ مگر عقل سے خالی، گویا دیواروں سے لگائی ہوئی بے کار لکڑیاں ہیں۔ ہر چیخ کی آواز کو سمجھتے ہیں کہ ان ہی پر آ پڑی۔ یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں لہٰذا ان سے بچے رہو۔ خدا انہیں مار ڈالے یہ کہاں بہکتے پھرتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے واسطے مغفرت کی دعا کریں تو وہ لوگ اپنے سر پھیر لیتے ہیں اور تم ان کو دیکھو گے کہ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں ـــــ"

کلام پاک کا ایک اور مقام ذہن میں رہے جہاں سورۂ حجرات میں ارشاد

خداوندی یوں ہے "اے ایمان والو! خدا اور اس کے رسولؐ کے سامنے کسی بات میں آگے نہ بڑھ جایا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدا بڑا سننے والا واقف کار ہے۔ اے ایمان دارو! بولنے میں تم اپنی آوازیں پیغمبرؐ کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولا کرتے ہو' انؐ کے روبرو زور سے نہ بولا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ بے شک جو لوگ رسولؐ خدا کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کر لیا کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے پرہیز گاری کے لئے جانچ لیا ہے ان کے لئے آخرت میں بخشش اور بڑا اجر ہے۔ اے رسولؐ جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے آوازیں دیتے ہیں' ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ او راگر یہ لوگ اتنا تامل کرتے کہ تم خود نکل کر ان کے پاس آ جاتے تب بات کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے ـــــــ"

سورۂ مائدہ کی ۵۴ ویں آیت ۵۵ ویں اور ۵۶ ویں آیات کا مفہوم ملاحظہ فرمائیں : "اے ایمان دارو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو کچھ پرواہ نہیں پھر جائے' عنقریب ہی خدا ایسے لوگوں کو ظاہر کر دے گا جنہیں' خدا دوست رکھتا ہو گا اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہوں گے۔ ایمان داروں کے ساتھ منکسر اور کافروں کے ساتھ کڑے' خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ یہ خدا کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا تو بڑی گنجائش والا ہے اور واقف کار ہے۔ اے ایمان دارو! تمہارے مالک سرپرست تو بس یہی ہیں' خدا اور اس کا رسولؐ اور وہ مومنین جو پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں اور جس شخص نے خدا اور رسولؐ اور انہیں ایمان داروں کو اپنا سرپرست بنایا تو خدا کے لشکر میں آگیا' اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ

خدا ہی کا لشکر کامیاب رہتا ہے۔"

سورۂ توبہ کی آخری دونوں آیات ۱۲۸ اور ۱۲۹ کا مفہوم یوں ہے: "لوگو تم ہی میں سے ہمارا ایک رسولؐ تمہارے پاس آ چکا ہے جس کی شفقت کی یہ حالت ہے کہ اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ اور اسے تمہاری بہبودی کا ہوکا ہے۔ ایمان داروں پر حد درجہ شفیق اور مہربان ہے۔ اے رسولؐ اگر اس پر بھی یہ لوگ تمہارے حکم سے منہ موڑیں تو تم کہہ دو کہ میرے لئے خدا کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ رکھا ہے، وہی عرش ایسے عظیم مخلوق کا مالک ہے۔"

سورۂ نحل کا یہ مقام بھی ذہن میں رہے، ۸۹ ویں آیت سے ۱۰۰ ویں آیت تک کا مفہوم مسلسل ذہن میں رہے:

"اور وہ دن یاد کرو جس دن ہم ہر گروہ میں سے انہیں میں کا ایک گواہ ان کے مقابل لا کھڑا کریں گے اور اے رسولؐ تم کو ان لوگوں پر ان کے مقابلے میں گواہ بنا کر لا کھڑا کریں گے اور ہم نے تم پر کتاب قرآن نازل کی جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے سراپا ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خدا انصاف اور لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے اور قرابت داروں کو کچھ دینے کا حکم کرتا ہے اور بدکاری اور ناشائستہ حرکتوں اور سرکشی کرنے کو منع کرتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور جب تم لوگ باہم قول و اقرار کر لیا کرو، تو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور قسموں کے ان کے پکا ہو جانے کے بعد نہ توڑا کرو حالانکہ تم تو خدا کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔ جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اسے ضرور جانتا ہے اور تم لوگ قسموں کے توڑنے میں اس عورت کے ایسے نہ ہو جاؤ جو اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ ڈالے کہ اپنے عہدوں کو آپس میں اس بات کی مکاری کا ذریعہ بنانے لگو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے خواہ

مخواہ بڑھ جائے' اس سے بس خدا تم کو آزماتا ہے کہ تم کس کی پالائش کرتے ہو اور جن باتوں میں تم دنیا میں جھگڑتے تھے قیامت کے دن خدا خود تم سے صاف صاف بیان کر دے گا۔ اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر وہ تو جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جو کچھ تم لوگ دنیا میں کیا کرتے تھے اس کی باز پرس تم سے ضرور کی جائے گی اور تم اپنی قسموں کو آپس کے فساد کا سبب نہ بناؤ' تاکہ لوگوں کے قدم جمنے کے بعد اسلام سے اکھڑ جائیں اور پھر آخرکار قیامت میں تمہیں لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنے کی پاداش میں عذاب کا مزا چکھنا پڑے اور تمہارے واسطے بڑا سخت عذاب ہو۔ اور خدا کے عہد و پیمان کے بدلے تھوڑی قیمت دنیوی نفع کی نہ لو۔ اگر تم جانتے بوجھتے ہو تو سمجھ لو کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے' وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کیونکہ مال دنیا کا جو کچھ تمہارے پاس ہے ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا اور جو اجر خدا کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور جن لوگوں نے دنیا میں صبر کیا تھا ان کو قیامت میں ان کے کاموں کا ہم اچھے سے اچھا اجر و ثواب عطا کریں گے۔ مرد ہو یا عورت' جو شخص نیک کام کرے گا اور وہ ایمان دار بھی ہو تو ہم اسے دنیا میں بھی پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا اچھے سے اچھا اجر و ثواب عطا ہوگا' اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود کے وسوسوں سے خدا کی پناہ طلب کر لیا کرو۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ ایمان دار ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ان پر اس کا قابو نہیں چلتا۔ اس کا قابو چلتا ہے تو بس ان ہی لوگوں پر جو اس کو یعنی شیطان کو دوست بناتے ہیں اور جو لوگ اس کو یعنی شیطان کو خدا کا شریک بناتے ہیں۔"

مندرجہ بالا آیہ مبارکہ میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ کافر شیطان کو دوست بناتے

ہیں۔ ہمارا موضوع زیر بحث یہ ہے کہ جو لوگ خدا کو دوست رکھتے ہیں' انہیں چاہئے کہ رسولؐ کی متابعت کریں تاکہ خدا بھی انہیں دوست رکھے' لہٰذا جو رسولؐ کی پیروی نہیں کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی دوستی سے محروم ہوں گے اور یہی لوگ شیطان کے ساتھی قرار پائیں گے۔ اور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ سورۂ آل عمران کی ۳۲ ویں آیت میں فرمان خداوندی واضح ہے جہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے رسولؐ لوگوں سے کہہ دو کہ خدا و رسولؐ کی اطاعت کرو' پھر اگر یہ لوگ اس بات سے سرتابی کریں تو سمجھ لیں کہ خدا کافروں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔ لہٰذا حکم رسولؐ سے سرتابی دراصل حکم الٰہی سے سرتابی ہے اور اس کی سزا جہنم ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت سورۂ نور کی ۶۲ ویں ۶۳ ویں اور ۶۴ ویں آیت میں یوں کی گئی ہے :

"سچے ایمان دار تو صرف وہ لوگ ہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور جب کسی ایسے کام کے لئے جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہے' رسولؐ کے پاس ہوتے ہیں تو جب تک رسولؐ سے اجازت نہ لے لی' نہ گئے۔ اے رسولؐ جو لوگ تم سے ہر بات میں اجازت لے لیتے ہیں وہ ہی لوگ دل سے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں' تو جب یہ لوگ اپنے کسی کام کے لئے تم سے اجازت مانگیں تو تم ان میں سے جس کو مناسب خیال کرکے چاہو اجازت دے دیا کرو اور خدا سے اس کی بخشش کی بھی دعا کرو' بے شک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان دارو! جس طرح تم میں سے ایک دوسرے کو نام لے کر بلایا کرتا ہے' اس طرح آپس میں رسولؐ کا بلانا نہ سمجھو۔ خدا ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آنکھ بچا کر پیغمبرؐ کے پاس سے کھسک جاتے ہیں' تو جو لوگ رسولؐ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں' ان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ مبادا ان پر کوئی مصیبت آ پڑے یا ان پر کوئی درد ناک عذاب نازل ہو۔ خبردار جو کچھ سارے آسمان اور زمین میں ہے سب یقیناً خدا ہی کا

ہے۔ جس حالت پر تم ہو خدا خوب جانتا ہے اور جس دن اس کے پاس یہ لوگ لوٹا کر لائے جائیں گے تو جو کچھ ان لوگوں نے کیا کرایا ہے بتا دے گا۔ اور خدا تو ہر چیز سے خوب واقف ہے۔"

ایام جاہلیت کے ضدی' عرب کے جھگڑالو' جاہل قبائل جو مغرور بھی تھے اور خود سر بھی' جناب ختمی مرتبتؐ کی شان میں جو جو گستاخیاں کیا کرتے تھے' انہیں قرآنی الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"اور جو لوگ کافر ہو گئے' بول اٹھے کہ یہ قرآن تو نرا جھوٹ ہے جسے اسی رسولؐ نے اپنے جی سے گھڑ لیا ہے۔ اور کچھ لوگوں نے اس افترا پردازی میں اس کی مدد بھی کی ہے تو یقیناً ان ہی لوگوں نے خود ظلم و فریب کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ تو اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں جسے اس نے (رسولؐ نے) کسی سے لکھوا لیا ہے' پس وہی صبح شام اس کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ (فرقان۔ ۵ ویں آیت) اور ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ کیسا رسولؐ ہے جو کھانا کھاتا ہے' بازاروں میں چلتا ہے' بازاروں میں پھرتا ہے۔ اس کے پاس فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوا تاکہ وہ بھی اس کے ساتھ خدا کے عذاب سے ڈرانے والا ہوتا یا کم سے کم اس کے پاس خزانہ ہی آسمان سے گرا دیا جاتا اور نہیں تو اس کے پاس باغ ہی ہوتا تاکہ اس سے کھاتا پیتا اور یہ ظالم کفار مومنوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس ایسے آدمی کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اے رسولؐ ذرا دیکھو تو کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے کیسی کیسی پھبتیاں گھڑی ہیں اور گمراہ ہو گئے تو اب یہ لوگ کسی طرح راہ پر آ ہی نہیں سکتے۔ (فرقان ۹ ویں آیت) "اے رسولؐ! یہ لوگ تمہیں جب دیکھتے ہیں تو تم سے مسخرا پن ہی کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہی وہ حضرت ہیں جنہیں اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ معاذ اللہ۔ اگر ہم بتوں کی پرستش پر ثابت قدم نہ رہتے تو اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے

بھکا ہی دیا تھا۔" اور بہت جلد قیامت میں جب یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ راہ راست سے کون زیادہ بھٹکا ہوا تھا۔ کیا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ تو کیا تم اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہو کہ وہ گمراہ نہ ہو۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ان کفار میں اکثر بات کو سنتے، سمجھتے ہیں، نہیں یہ تو بس بالکل مثل جانوروں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔" (فرقان ۴۴)

سورۂ محمد کی ۳۳ ویں آیت کا مفہوم ملاحظہ ہو، فرمایا "اے ایمان دارو! خدا کا حکم مانو اور رسولؐ کی فرماں برداری کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔" گویا خدا و رسول کی فرماں برداری نہ کرنے کا مطلب اپنے اچھے کئے ہوئے اعمال کو بھی ضائع کرنا ہوا۔

(اس آیت پر تفصیلی حاشیہ آئندہ صفحات میں ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔)

احساس مذہب کی بنیاد

ہمارا موضوع سخن "اتباع" اور "اطاعت" ہے۔ "اتباع" کے لغوی معنی پیچھے چلنا اور پیروی کرنا ہوتے ہیں جبکہ "اطاعت" کا مطلب فرماں برداری ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تعریف یوں ارشاد فرمائی۔

تعریف اسلام

الاسلام طاعتہ لا مر اللہ و شفقتہ علی خلق اللہ

یعنی اسلام احکام الٰہی کی فرمانبرداری اور مخلوق خدا پر شفقت ہے۔

خواہش بقا کا فلسفہ

زبان وحی زبان سے دین اسلام کی تعریف ہم سب کو دعوت دیتی ہے کہ ہم اپنے

معاشرے اور ماحول پر ایک نظر ضرور دوڑائیں اور ملاحظہ کریں کہ مذکورہ تعریف کی کوئی جھلک مروجہ اسلامی معاشروں میں مدعیان اسلام کے سماجوں میں دکھائی دیتی ہے؟ اعتراف یہ ہے کہ اسلام اور نظام مصطفیٰؐ کے بلند نعرے تو ضرور سنائی دیتے ہیں مگر عملاً معاشرے کا دین بہرحال اسلام سے مختلف ہے۔ جب ہم نفسیاتی نقطہ نظر سے اپنی سوسائٹی کے دین و مذہب کے فلسفہ پر غور کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہر شے ایک جداگانہ اکائی ہے اور عموماً" شیر خوار بچے کو کمسنی ہی میں جذبہ انانیت کا شعور ہو جاتا ہے۔ اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ تمام دیگر چیزوں سے الگ اپنا ایک مخصوص وجود رکھتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی خواہش بقا بھی پروان چڑھتی ہے۔ اس میں شعور آتا ہے۔ وہ ہمیشہ باقی رہنا چاہتا ہے۔ فنا ہو جانے سے جی ہی جی میں خوفزدہ بھی رہتا ہے۔ تمام احتیاجات' خواہشات اور جذبات و احساسات کی بنیاد جذبہ انانیت اور تمنائے بقا پر ہے۔ جن کاموں یا چیزوں سے اسے مزا آتا ہے ان کو وہ اپنی بقا کا ذریعہ و معاون خیال کرتا ہے۔ اس لئے وہ اسے پیارے ہو جاتے ہیں۔ ان سے وہ والہانہ محبت کرنے لگتا ہے اس کے برعکس جن باتوں میں اس کو ناگواری محسوس ہوتی ہے ان کو باعث فنا سمجھ کر ناپسند کرتا ہے اور لائق نفرت قرار دیتا ہے۔ اب چونکہ ہر خواہش اور جذبے کی تسکین سے اسے سرور حاصل ہوتا ہے اس لئے خواہش و جذبات کی تسکین ہی کو اپنی بقا کا ذریعہ سمجھ لیتا ہے۔ اپنی خواہش و جذبے کی تسکین نہ ہونے پر وہ مضطرب ہوتا ہے چنانچہ اس کو موصل الی الفنا خیال کرنے لگ جاتا ہے۔ غرضیکہ ہر وہ چیز شخص شے جو اس کے لئے ذریعہ تسکین بنتی ہے۔ اس کو وہ اپنی بقا کا باعث سمجھ لیتا ہے۔ لہٰذا وہ سب اس کو محبوب ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس فلسفہ کا بیان کئی مقامات پر کیا گیا اور ان اشیاء و اشخاص کا جو

نفس کو محبوب ہوتے ہیں تذکرہ یوں کیا گیا ہے :

زین للناس حب الشھوت من النساء و البنین و القناطیر المقنطرۃ من الذھب و الفضتہ و الخیل المسومتہ و الانعام و الحرث ذلک متاع الحیوۃ الدنیا و اللہ عندہ حسن الماب ○

لوگوں کی نظر میں (ان) خواہشات کی محبت کو زینت دی گئی ہے۔ عورتوں کی' بیٹوں کی' سونے چاندی کے ڈھیروں کی' نشان کئے ہوئے (مخصوص پلے ہوئے) گھوڑوں کی۔ مویشیوں کی اور کھیتوں کی۔ یہ (سب) تو کمینی زندگی کی پونجی ہے۔ اللہ کی قسم بہترین ٹھکانہ (انجام) تو اسی (خدا) کے پاس ہے۔

(آل عمران ۱۴)

پھر فرمایا :

"(اے رسولؐ!) کہہ دے (کہ) اگر تمہارے باپ داد' تمہارے بیٹے اور بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ قبیلہ اور وہ مال (دولت) جو تم نے جمع کر رکھے ہیں اور وہ کاروبار جس میں نقصان (کے اندیشے) سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکان (جائیداد) جو تمہیں بڑے پسند ہیں' اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں ــــــ"

(توبہ ۲۴)

انانیّت (میں)

ہر بچے کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ جو چاہے وہی ہو جائے۔ چونکہ اس کی بہت سی خواہشیں اس کے پالنے والوں کے ذریعے سے پوری ہو جاتی ہیں لہٰذا وہ اپنے مربیوں کو ہر خواہش کی تسکین کا ذریعہ سمجھتا ہے اور ان کو ہر شے پر قادر تصور کرتا ہے۔ مگر بڑا ہونے پر جب وہ بہت سے امور میں ان کو بھی عاجز پاتا ہے تو اس وقت اس کے نفس میں ایک غیر محسوس طلب پیدا ہوتی ہے کہ 'کوئی ایسی ہستی یا طاقت مجھے مل جائے جو ہر شے پر قدرت رکھتی ہو جس کے ذریعے میں جو چاہوں وہ فوراً ہو جائے۔ ایسے میں جب وہ اپنے بڑوں کو کسی غیر مرئی ذات کی جانب رجوع کرتے دیکھتا ہے تو اس کی قوت ادراک جو بہت تیز ہوتی ہے اس کے ذہن میں یہ بات راسخ کر دیتی ہے کہ یہی وہ ذات ہے جو ہر شے پر قادر ہے۔ پس لاشعور میں ان ہی اسماء کو جنہیں اپنے بزرگوں کی زبانی سنتا ہے یاد کر لیتا ہے' پھر یہ نام اس کو محبوب ہوتے ہیں۔ وقت حاجت ان ناموں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ان کو پکارنے لگتا ہے۔ اسی مقام سے احساس مذہب کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ محبت ان ناموں سے نہیں ہوتی بلکہ اپنی خواہش بقا کی محبت ہوتی ہے۔ اسے صرف اپنا من پیارا ہے۔ یہ صرف "انا" کی محبت ہے۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ جس چیز کا تعلق "انا" سے ہوگا پیاری ہوگی۔ ہر میرا میری سے پیار ہوگا۔ ان سب میرے میروں میں ایک "میرا مذہب" بھی ہے۔ جو بڑا محبوب ہوتا ہے۔ اس کے کچھ اسباب ہیں' مثلاً چونکہ پروردہ بچے کو اپنے پالنے والوں سے محبت ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی ہر بات اسے پیاری لگتی ہے۔ ان کے مذہبی عقیدے اور مراسم جو لاشعور میں غیر ارادی طور پر ذہن نشین ہو جاتے ہیں' فطرتاً" اسے محبوب ہو جاتے ہیں۔ جن پر نظر تنقید اٹھانا

اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے مربیوں کو صدیق و امین سمجھتا ہے کیونکہ اسے گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ کوئی غلط بات کر سکتے ہیں' لہٰذا مادی دنیا یا غیر مرئی اشیاء کے متعلق باتیں' حکائتیں' قصے کہانیاں جن کی تصدیق یا تکذیب حواس ظاہری سے نہیں ہو سکتی جب وہ ان سے سنتا ہے تو غیر ارادی طور پر ذہن نشین کر لیتا ہے اور بعد میں ان پر تنقید تو کجا اس سے مختلف الرائے لوگوں سے بھی نفرت کرتا ہے۔ دنیا کی سب چیزیں' افراد' مال و اسباب اسے اس لئے محبوب ہوتے ہیں کہ وہ ان کو خواہشات و جذبات کی تسکین کا ذریعہ اور "نتیجۃً" اپنی بقا کا باعث سمجھتا ہے۔ لیکن حوادث زمانہ کے سبب جب اس پر ایسا وقت آن پڑتا ہے کہ وہ کسی اضطراری صورت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کٹھن گھڑی میں نہ مال کام آتا ہے نہ عزیز و اقارب مدد کر سکتے ہیں جیسے کسی مرض کا عارضہ یا کوئی روحانی اذیت اندریں صورت دنیا کی وہ تمام چیزیں جو اس کے خیال میں باعث بقا ہونے کے سبب محبوب تھیں' اس کے دکھ اور اضطراب کو دور کرنے میں بے سود ثابت ہوتی ہیں۔ اسے سکون نہیں دے سکیں' تو پھر اس کو دو صورتیں نظر آتی ہیں۔

پہلی یہ کہ مضطر کی توجہ کو اس کے باطن کی طرف سے ہٹایا جائے یا کسی خارجی مرکز کی طرف منعطف کیا جائے۔ دوسری یہ کہ آئندہ کی فلاح و بہبود کی قوی امید دلائی جائے ایسی بشارت سے اضطرار میں سکون مل جاتا ہے۔ مذہب یہ دونوں صورتیں یکجا پیش کر دیتا ہے۔ اپنے آبائی مذہب کے بزرگوں اور رہنماؤں یا معبود کے نام جو وہ بچپن ہی سے سنتا رہا ہے اس عالم اضطراب میں اس کی توجہ خاص کا مرکز بن جاتے ہیں۔ اور دنیا و آخرت میں ان ہی سے امید و فلاح وابستہ ہو جاتی ہے۔ مذہب جو اس وقت دفع اضطرار کا سبب ہوتا ہے جب دنیوی اسباب اور تمام محبوب اشیاء و افراد (جن کو باعث بقا جانتا ہے بے فائدہ ثابت ہو جائیں۔) کے مقابلے میں بازی جیت جاتا

ہے تو اس کی محبت میں گرانقدر اضافہ ہو جاتا ہے اسی لئے انسان مذہب کے لئے جان تک قربان کر دینے میں دریغ نہیں کرتا۔

مروجہ مذاہب

المختصر لاشعوری میں ذہن پر نقش ہونے والے آباء کے عقائد رسم و رواج اور اسلاف کے کہے سنے قصوں کے مجموعہ کو مذہب کہا جا سکتا ہے۔ اور دنیا کی عظیم اکثریت کا مذہب ایسا ہے۔ اس مذہب میں شفقت تو کجا رواداری کے لئے بھی کوئی باب مرقوم نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس اس میں نفرت و حقارت کے جذبے خوب پروان چڑھتے ہیں۔ جس سے روز افزوں فساد فی الارض رونما ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب کے نام پر اس دھرتی پر جتنا خون خرابہ ہوا ہے اور کسی بات پر نہیں ہوا۔

دین حقیقی

ایسے مذہب کا دین حقیقی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ جبکہ دین سراپا سلامتی تسلیم و اطاعت اور شفقت و محبت کا مجموعہ ہے۔ اس الہامی دین کی نمایاں خصوصیات فطرت اللہ کے عین مطابق طہارت ذہنی' پاکیزہ خیالی' عالی ظرفی' عفو' درگزر' صلح و آشتی' صبر و تحمل' ایثار و ہمدردی' خدمت خلق' خوف خدا اور اطاعت و اتباع ربانی ہیں۔ ادھرنا خالص مذہب کا آمیزہ نفرت' عصبیت' حقارت' خودغرضی' خودستائی' بغض' عناد' سنگ دلی' سرکشی' استحصال اور فریب سے مرکب ہے۔ دین حقیقی قیم اور واحد ہے جبکہ نام نہاد مذاہب فرقہ بندی اور تفرقہ بازی کا شکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دین آباء کی مذمت قرآن مجید میں کھلے الفاظ میں کی گئی ہے۔

معاشرے میں مروجہ مذاہب کی واضح اکثریت "انانیت" کے شیطانی جال میں

محبوس ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر دور جدید میں لوگ مذہب کے نام سے متنفر ہونے لگے ہیں۔ الحاد کے لئے زمین ہموار ہو رہی ہے۔ اہل مذہب کی زبوں حالی دیکھ کر یہ کہا جانے لگا کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ جس مذہب کی رٹ لگائی جاتی ہے۔ اس کے درخت کا پھل بدمزہ اور کڑوا نکل رہا ہے۔ لہٰذا یقیناً کچھ بنیادی خرابیاں ہیں جو پیروکار قعرمذلت میں گرے دکھائی دیتے ہیں۔

ایسے پر آشوب دور میں حالات کو قابو میں رکھنے اور دشمن کی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسانیت کو دین حقیقی کی جانب متوجہ کیا جائے۔ مگر المیہ یہ ہے کہ خود مدعیان دین فطرت' دین سے بیگانے ہو چکے ہیں۔ حیف یہ کہ علمائے دین جن کا فریضہ یہ ہے کہ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درس دیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں غافل ہو گئے ہیں۔ ان کی جانب سے محبت و اخوت کے سبق کی بجائے نفرت و عصبیت کا پرچار ہو رہا ہے۔ خدا کی حکم عدولی کرتے ہوئے ان کو ذرا بھی خوف نہیں آتا۔ جی بھر کر فرقہ داری یا فرقہ واریت کو ہوا دی جا رہی ہے۔ مسلمان علماء کی اس حالت کا نقشہ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے بہت دلکش کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:

دین حق از کافری رسوا تر است
زانکہ ملا مومن کافر گر است

دین حق کافری سے زیادہ رسوا ہے۔ اس لئے کہ ملا ایک کافر گر مومن ہے۔

زا نسوے گردوں دلش بیگانہ
نزد او ام الکتاب افسانہ

ملا کا دل حالات زمانہ سے بے خبر ہے۔ اور اس کے نزدیک قرآن گویا ایک افسانہ ہے۔

بے نصیب از حکمت دین نبیؐ
آسمانش تیرہ از بے کوکبی

وہ دین نبویؐ کی حکمت سمجھنے سے بد قسمت ہے۔ اس کا آسمان کسی ستارے کے نہ ہونے کی وجہ سے تاریک ہے۔

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گو
ملت از قال و اقولش فرد فرد!

وہ تنگ نظر، بدذوق اور بکواسی ہے۔ قوم اس کی بے معنی بحثوں کے سبب سے منتشر ہو گئی ہے۔

مکتب و ملا و اسرار کتاب
کور مادر زاد و نور آفتاب

مکتب و ملا کو کتاب کے علمی اسرار سے وہی نسبت ہے۔ جو ایک پیدائشی اندھے کو سورج کی روشنی سے ہوتی ہے۔

دین کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

آج کافر بے دین کا دین تو فکر و غور کائنات اور جہاد کی تدبیر ہو گیا ہے۔ مگر ملا کا دین یہ ہے کہ اللہ کے نام پر فساد برپا کرتا ہے۔

بہرکیف دنیا کے دیگر مذاہب کی طرح اسلام بھی مسلمانوں کی مہربانی سے اختلاف کی چادر میں مجتمع ہے۔ جس پر دلکش کشیدہ کاری سے لکھا ہے "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ بازی نہ کرو۔" حالانکہ اس تسلیم و رضا کے مرقع دین میں "انانیت" کی سوئی کے ایک ناکے جتنی بھی گنجائش دستیاب نہیں ہے۔ اسلامی فکر کی بنیاد ہی لہ ما فی السموات و الارض پر ہے۔ مسلمان معاشروں کے انحطاط اور اخلاقی

پستی کا سبب دین حقیقی سے غفلت و بعد بھی ہے۔ جس کا واحد علاج انانیت سے توبہ کرکے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین حقیقی فطرت اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ رجوع بصورت عدول ہوا کرتا ہے۔ ہم تو بفضل خدا پہلے ہی سے دین الٰہی سے وابستہ ہیں۔ پھر اس کی کیا ضرورت؟ اس کا جواب قرآن مجید میں اس طرح سے ہے۔

فاقم وجهک للدین حنیفا فطرت اللہ التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون ○ (سورۂ روم ۳۰)

یعنی تو اپنے آپ کو یکسو ہو کر دین کی طرف متوجہ کرلے (جو) اللہ کی فطرت ہے جس پر انسان کو فطر کیا گیا یا جو انسان میں ودیعت کی گئی ہے۔ اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی (فطرت اللہ) تو نہایت درست قیم دین ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت اس حقیقت سے ناآشنا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں ہے کہ :

منیبین الیہ و اتقوہ و اقیموا الصلوٰۃ و لا تکونوا من المشرکین ○ **من الذین فرقوا دینهم و کانوا شیعا کل حزب بما لدیهم فرحون** ○ (سورۃ الروم ۳۱۔ ۳۲)

یعنی اسی کی طرف تائب ہو کر رجوع کرو۔ اور اسی سے ڈرو اور نماز کو قائم کرو اور مشرکوں میں سے مت بنو۔ جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور فرقہ فرقہ ہو گئے۔ ہر فرقہ اسی میں مگن ہے جو اس کے پاس ہے۔

یہ انتہائی فکر انگیز تینوں اہم آیتیں سوال بالا کا پورا جواب ہیں۔ پہلی آیت میں دین کی تعریف یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی فطرت ہے۔ جو انسان میں ودیعت کی گئی ہے۔ نیز یہ کہ اس کی کیفیت ہر بشر میں یکساں ہے اور اس میں تبدیلی ممکن نہیں۔ اللہ

کے فرمان کی حقانیت اظہر من الشمس ہے۔ مشرق، مغرب، شمال، جنوب میں بسنے والے مختلف انسانوں میں کوئی بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ کسی کو دھوکا دینا، کسی پر ظلم کرنا، جھوٹ بولنا اچھی باتیں ہیں۔ کیونکہ ہر کسی کے اندر موجود فطرت اللہ یہی شہادت دیتی ہے کہ یہ باتیں بری ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ تمام انسانیت کا دین (دین واحد) ایک ہی ہے۔ اور یہی فطرت اللہ بذات خود انسان کی راست روی یا کجروی پر شاہد ہے۔ جیسا کہ سورۂ شمس میں خلاق عالم نے اپنے گیارہ مظاہر قدرت کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ نفس انسان پر اس کی برائیاں اور اس کی پرہیز گاری الہام کی ہوئی ہے۔ اس حقیقت کا شعور ہر صاحب فکر کو ہو سکتا ہے کہ کسی برائی کے ارتکاب بلکہ ارادے پر ہی وہ الہام کردہ فطرت انسان کو متنبہ کرتی ہے اور باز رہنے کی ترغیب دیتی ہے۔

اللہ اسی پاک فطرت کو جو تمام انسانیت کا دین ہے اپنی امانت قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ

"بے شک ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے روبرو پیش کیا مگر انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور وہ اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔" (سورۂ احزاب ۷۲)

کائنات اور خود اپنے نفس میں فکر کرنے سے اس امانت کی معرفت ہو جاتی ہے جسے انسان نے اٹھا لینے کا ذمہ لے لیا۔ آسمانوں زمین اور پہاڑوں کا تذکرہ تو ان کی بموجب فطرت اطاعت کے مدنظر کیا گیا ہے۔ یعنی وہ اور دیگر موجودات جس غرض و غایت کے لئے بنائی گئی ہیں اس کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ان کے ذاتی ارادہ کو اس مشغولیت میں کوئی دخل نہیں ہے۔ گویا انہوں نے اپنے خالق و مالک کے علم و حکمت کی برتری کو تسلیم کرتے ہوئے خود کو مالک کی منشا کے سپرد کر دیا کہ وہ جس

طرح مناسب سمجھے ان سے کام لے اور اس طرح وہ ذاتی ذمہ داری سے لاتعلق ہو گئیں۔ اس کے برعکس انسان کو اس کی اپنی مرضی و ارادے کے مطابق بعض امور میں اختیار عمل حاصل ہے جسے اس نے قبول کر لیا۔ اس اختیار کو قبول کر لینے میں ہی خالق و مالک کے علم و حکمت و منشا سے گریز کا ایک پہلو نکلتا ہے۔ جسے ظلم و جہالت ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ اختیار انسان کو اس کی آزمائش کی غرض سے دیا گیا ہے کہ آیا وہ اس محدود اختیار کو اپنے خالق و مالک کی اطاعت میں استعمال کرتا ہے۔ یا اس کی نافرمانی میں۔

تھوڑا غور کرنے پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ اللہ کی مذکورہ امانت فطرت اللہ، نور بصیرت اور فرقان ہی ہے جو سورۂ شمس کی آیت کے بموجب ہر نفس پر الہام کی ہوئی ہے اور اسی امانت کو سورۂ روم کی آیت ۳۰ میں تمام انسانیت کا دین بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ اس دین کی پیروی یعنی اپنے محدود اختیار کا اللہ کی پاک فطرت کی اطاعت میں استعمال انسان کو اشرف المخلوقات کے رتبہ پر فائز کرتا ہے اور اس کی نافرمانی میں اس کا استعمال جو امانت میں خیانت ہے اور اختیارات کا بے جا استعمال ہے اسے مستوجب سزا قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

"بے شک ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کا ایندھن بنایا۔ ان کے دل تو ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں۔ اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ تو ڈھور ڈنگر ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، وہی تو ہیں جو بالکل غافل ہیں۔" (الاعراف پ۹ آیت ۱۷۹)

اللہ نے دانستہ خیانت سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔

یا یھا الذین امنو لا تخونوا اللہ و الرسول و تخو نوا امنتکم و انتم تعلمون

(الانفال آیت ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور الرسول سے خیانت نہ کرو ورنہ تم اپنی امانتوں میں جانتے بوجھتے ہوئے خیانتیں کرو گے۔

پس ہمیں اللہ کی عظیم ترین امانت یعنی فطرت اللہ کی حفاظت کے تقاضے پورے کرکے ہی اشرف المخلوقات کا درجہ نصیب ہو سکتا ہے۔

الاسلام

خدا نے اپنے اسی پسندیدہ اور منتخب کردہ دین کو "اسلام" کا نام دیا۔ اور کہا

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا

(مائدہ ۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کی تکمیل کر دی اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اللہ کے اس پسندیدہ دین کی وضاحت قرآن میں یوں بیان ہوئی۔

"اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ گھر (خانہ کعبہ) کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے۔ (تو کہتے جاتے تھے) اے ہمارے پالنے والے! ہماری یہ خدمت قبول فرما لے۔ بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہم دونوں کو مسلمان بنا لے اور ہماری اولاد میں سے ایک گروہ کو بھی اپنا مسلم بنا لے۔ اور ہمارے مناسک (مقامات اطاعت) دکھلا دے۔ اور ہماری طرف متوجہ ہو (نظر رحمت فرما) بے شک تو توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔" (البقرہ ۱۲۸۔ ۱۲۷)

ان آیات میں تقاضائے اسلام کی پوری پوری وضاحت ملتی ہے۔

"اسلام" کے لغوی معنی "اطاعت کلی" یعنی مالک کے حضور سر تسلیم خم کر دینا ہے۔ گویا مسلم اور مطیع ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

اور جناب اسمٰعیل علیہ السلام کی عجیب و جامع دعا "ہمارے پالنے والے ہمیں اپنا مسلم بنا لے" سے ایسا ماخوذ ہوتا ہے کہ مثالی باپ بیٹے نے اس دعا میں گویا سب کچھ ہی مانگ لیا ہے۔ **مسلمین لک و مسلمتہ لک** یعنی اپنا مطیع کامل کے الفاظ قرآن کریم کی صرف اسی ایک آیت میں ملتے ہیں اور دو نبیوں کی بیک زبان اس ایک دعا کی شرف قبولیت کا یہ عالم ہے کہ ان باپ اور بیٹے کے بعد رب خلیلؑ نے نبوت و کتاب کی وراثت اولاد خلیلؑ کے لئے مختص فرما دی۔ ایک نبی کے لئے ذات باری کا مطیع کامل ہونا ویسے بھی از بس کہ ضروری ہے دوسروں کو شیطان یا نفس امارہ کی اطاعت سے باز رہنے کی ہدایت کا حق بھی اسی کو پہنچتا ہے جو خود اس لغزش سے پاک ہو اور ایسا وہی انسان ہو سکتا ہے جو خدا کا مطیع کامل ہو اور یہی بات عصمت انبیاءؑ پر دلیل محکم ہے۔

انسانی خود فریبی سے بچاؤ اور اپنے پسندیدہ دین کی اہمیت کا اظہار فرماتے ہوئے اللہ کا ارشاد ہے کہ :

"اور اس ملت (دین) ابراہیمؑ سے احمق کے سوا کون ہے جو روگردانی کرے؟ اور بے شک ہم نے اسے (ابراہیمؑ کو) دنیا میں منتخب کر لیا۔ اور آخرت میں بھی یقیناً وہ صالحین میں سے ہے۔ جب اس کے رب نے کہا کہ تسلیم کرو تو اس نے عرض کیا کہ میں نے تمام جہانوں کے پروردگار کے حضور سر تسلیم خم کر دیا۔ اور اسی (اسلام) کی ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ :

"اے میری بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لئے دین (اسلام) کا انتخاب کر لیا ہے اور خبردار کہیں ایسا نہ ہو تمہیں موت آ جائے مگر تم مسلمان نہ بنے ہو۔" (سورۂ بقرہ ۱۳۰ تا ۱۳۳)

اس دین اطاعت کے دو کامل مطیعوں کو مقامات اطاعت دیکھنے کا اشتیاق ہوا تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں التماس کی۔ خدا نے سورۂ صافات میں اس کی منظر کشی

یوں کی ہے:

پس جب وہ (مطیع فرزند مسلم اسماعیلؑ) اس (مطیع مسلم باپ ابراہیمؑ) کے ہمراہ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچا تو اس (ابراہیمؑ) نے کہا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ پس غور کر کہ اس بارے میں تیری کیا رائے ہے۔ اس (مسلم بیٹے) نے عرض کی۔ اے ابا جان جو کچھ بھی آپ کو امر ہوا ہے (اطاعت) بجا لائیے۔ آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پس جب ان دونوں نے (حکم الٰہی پر) سر تسلیم خم کر دیا اور اس (باپ) نے اس (بیٹے) کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے اسے ندا دی کہ اے ابراہیمؑ! بے شک تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا ہے۔ ہم احسان کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے اس کا فدیہ ایک بہت بڑی قربانی قرار دیا اور ہم نے اس پر پیچھے آنے والوں میں یہ (ایک قرض) چھوڑا۔ ابراہیمؑ پر (ہمارا) سلام ہو۔ ہم محسنین کو یوں ہی جزا دیا کرتے ہیں۔ (الصافات ۱۰۲ تا ۱۱۰)

ان مقامات اطاعت کو بھلا کون پہنچ سکتا ہے۔ سوائے اس کے جو حقیقی مسلم ہو۔ جو **و اجعلنا مسلمین لک** کے متمنی ہوں۔ بے شک مسلم یعنی مطیع کی شان یہی ہے کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں باپ بیٹے کے گلے پر چھری رکھ دیتا ہے اور بیٹا اسے خنداں پیشانی سے قبول کر لیتا ہے۔ اور اللہ ان دونوں کو سرفراز کرتے ہوئے خود تسلیم کرتا ہے کہ "ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا" ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی آگے آنے والی ذریت نے اپنے اس قرض کی ادائیگی جس انداز اطاعت سے کی اس کا نظارہ ۶۱ھ کے ماہ محرم میں تاریخ کربلا کے ابواب میں مرقوم ہے کہ حسین بن علی محسن الٰہی کا درجہ پا گئے اور ذبح عظیم کے معنی بن کر مسلم کامل کی منہ بولتی تصویر بن کر دنیا کو محو حیرت کر گئے۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیلؑ کو آداب فرزندی

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

امام حسین علیہ السلام نے اطاعت خداوندی میں اپنا سب کچھ پیش کرکے اپنے آباء و اجداد ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے نام کو چار چاند لگا دیئے۔ درحقیقت امام حسینؑ ہی حقانیت اسلام کی اکلوتی دلیل ہیں جس کو رد کرنا امر محال ہے۔ حسین علیہ السلام نے انسانیت کو بیدار کرنے کا بے نظیر سلیقہ سکھا دیا۔

خواب غفلت سے جگانے کے لئے درد و غم کے سوا کوئی دوسری شے موثر نہیں ہوتی۔ اب جب کسی کو محبوبؐ خدا سے محبت ہو گی تو وہ محبوب رسول خداؐ کے تمام گھرانے کے دشت بلا میں بھوکے پیاسے کٹ جانے اور خانوادۂ رسولؐ کی مخدرات کی تذلیل پر تڑپ اٹھے گا۔ یہ تڑپ جو غم حسینؑ سے پیدا ہو گی اسے خواب غفلت سے یقیناً بیدار کرے گی۔

پس تقاضائے دین اسلام یعنی اطاعت کامل کے سوا خدا کو اور کوئی مذہب قبول نہیں جیسا کہ اعلان فرمایا:

و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ و ھو فی الاخرۃ من الخسرین (آل عمران ۸۵)

یعنی جو کوئی بھی اسلام (اطاعت کامل) کے سوا کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔

پس دین اسلام جب "طاعت لامر اللہ" ہے تو اطاعت تین طریقوں سے ہوتی ہے۔ اول خوف' دوم لالچ' سوم محبت۔ خوف و لالچ کے باعث اطاعت ناقص ہو گی۔ خالص اطاعت تو صرف محبت سے ہی ممکن ہے۔

جب انسان کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کی کوشش نیز احتیاط یہ ہوتی ہے کہ کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہونے پائے جس سے محبوب ناراض ہو جائے۔ لہٰذا خدا کو بھی ایسی ہی اطاعت مطلوب ہے جو محبت میں ڈوبی ہوئی ہو۔ اسی لئے اس نے محبت ہی کو ایمان قرار دیا ہے۔

و من الناس من یتخذ من دون اللہ اند ا د ا یحبونھم کحب اللہ و الذ ین امنوا اشد حبا للہ (البقرہ ۱۶۵)

"اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اس کے ہمسر بنا لئے ہیں۔ وہ ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسے کہ اللہ سے محبت کرنا چاہئے۔ لیکن جو صاحبان ایمان ہیں وہ اللہ کی حب شدید یعنی عشق میں مبتلا ہیں۔"

اب یہاں یہ سوال پیدا ہو گا کہ اللہ سے جو انسان کے وہم و گمان اور ادراک سے بالاتر ہے۔ کس طرح محبت ممکن ہے؟ چنانچہ اس عقدہ کو سورۂ عمران کی آیت ۳۱ جو ہم نے سرنامہ قرار دی میں حل کر دیا گیا ہے کہ :

"(اے رسولؐ) کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔"

پس اتباع رسولؐ درحقیقت اطاعت فطرت اللہ ہے جو حقیقی دین اسلام ہے۔

جس سے کوئی نفس محروم نہیں رکھا گیا۔ اسی اطاعت رسولؐ کو اللہ نے اپنی محبت کہا ہے اور اس محبت کا صلہ خود اپنی ذات کو قرار دیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا؟ وہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم ممکن فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ازروئے مشاہدہ نفس انسان غافل ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے سارے کام بامقصد اور بالارادہ ہوتے۔ کوئی فعل عبث یا غیر ارادی حرکت اس سے سرزد نہ ہوتی۔

انسانی نفس حواس خمسہ کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے۔ اور اپنے اندر اس کا ذخیرہ کرتا ہے۔ ہر وقت دیکھی ہوئی چیزیں اس کے اندر منقش ہوتی ہیں۔ آوازیں جمع ہوتی ہیں۔ چکھنے سے ذائقہ کی کیفیتیں اکٹھی ہوتی ہیں۔ سونگھنے سے خوشبو اور بدبو کی قسمیں مجتمع ہوتی ہیں۔ چھونے سے مختلف اشیاء کے لمس کا خزانہ جمع ہوتا رہتا ہے۔ ان کیفیات کو سمجھنے کے لئے اپنے اندر غور کریں۔ جب کسی دیکھی ہوئی شے کا نام لیا جاتا ہے تو نفس اس شے کی تصویر نکال کر پیش کر دیتا ہے۔ مثلاً کہا گھوڑا تو فی الفور گھوڑے کی تصویر ذہن میں ابھر آتی ہے۔ اسی طرح جب کسی چکھے ہوئے ذائقہ کا ہمارے سامنے ذکر ہو تو ہم اس ذائقہ کی کیفیت کو طاری کر کے سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کھٹی شے کا نام لیا جائے تو فوراً منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ اسی طرح کسی خوشبو یا بدبو کا تذکرہ ہو تو اس کی ہلکی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہی حال سننے اور چھونے کی حسوں کا ہے۔ اب غور کریں کہ اس نفس کا کسی بات کو سمجھنے کا طریقہ کیا ہے۔ کسی مقرر کی تقریر کے ہر لفظ کے لئے یہ اپنے خزانوں میں سے تصاویر یا کیفیات لاتا ہے۔ انہیں ملا ملا کر بات کو سمجھا جاتا ہے۔ اس کے سوا نفس کے پاس بات کو سمجھنے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ نفس مسلسل اس عمل میں مصروف ہے۔ لیکن اس تسلسل عمل کے باوجود نفس کو شعور نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ بالکل اسی طرح

جس طرح کوئی خودکار مشین چل رہی ہے۔ اس عالم غفلت میں یہ ایک جانور کی مانند اپنی خواہشات و جذبات کی تسکین کے لئے بے تاب رہتا ہے اور اس کے اثرات کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ چنانچہ ایک مغربی مفکر کے بقول:

"نفس انسان خارجی دنیا کے لئے نیم شعوری حالت میں ہے اور اپنے باطن سے بالکل غافل ہے۔"

خصوصی مقصد بعثت

ہم مطالعہ کرتے ہیں کہ قرآن حکیم میں جہاں کہیں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہاں دیگر مقاصد کے ساتھ ایک خصوصی مقصد کا ذکر ہر مقام پر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقصد مقاصد بعثت میں اہم ترین ہے۔ اور وہ ہے تزکیہ نفوس۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمایئے۔

کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم ایتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتاب و الحکمۃ و یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون ○ (سورۃ البقرہ ۱۵۱)

جیسے کہ ہم نے تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھلاتا رہتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

نیز ملاحظہ کیجئے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۴ اور سورۂ جمعہ کی دوسری آیت وغیرہ وغیرہ۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ جہاں حضورؐ کی بعثت کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے وہاں مقصد بعثت تزکیہ نفوس ضرور بتلایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ تزکیہ کسی نجاست ہی کا کیا جاتا ہے۔ تو نفس انسانی میں ایسی کون سی نجاست ہے جس کے تزکیہ کے لئے اللہ نے

اپنے حبیبؐ کو مامور فرمایا۔

غور کرنے پر معلوم ہو گا کہ انسانی نفس کی وہ آلودگی اس کی "غفلت" ہی ہے جو اسے اپنے خالق کی ناشکری اور حکم عدولی پر اکساتی ہے۔ یہی غفلت انسان کو نیک و بد کی تمیز سے محروم کرکے اسے شیطان کا دوست بناتی ہے اور وہ ہوئی و ہوس کی پیروی کرنے لگ جاتا ہے۔ بلکہ اپنی ہوئی نفس کو اپنا معبود بنا لیتا ہے یوں وہ موحد ہوتے ہوئے بھی شرک خفی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رحمت ایزدی نے اس شرک خفی کی نجاست سے پاک کرنے کے لئے رحمت للعالمین رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا کہ ہمارے نفوس کی غفلت کو جو پرستش ہوئی یا شرک کا باعث ہے پاک کرکے ہمیں بندگی شیطان سے نجات دلا کر بندگی رحمان میں داخل فرمائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان غفلت کی نجاست سے پاک نہیں ہو گا' ایمان حقیقی سے محروم رہے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس نجاست غفلت سے نجات کس طرح ہو؟ ہم گذشتہ بیان میں عرض کر چکے ہیں کہ ایمان حب شدید یعنی عشق الہی ہے۔ اور قرآن نے یہ وضاحت بھی کر دی کہ اتباع رسولؐ ہی حب الہی ہے۔ جس کے صلہ میں اتباع رسولؐ کرنے والا از خود اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت کا حکم بھی قرآن میں کئی بار آیا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی وہی سوال ذہن میں آتا ہے کہ اس ہستی کی جو انسانی فہم و ادراک کی دسترس میں نہیں ہے اطاعت کیسے کی جائے۔ اگر یہ جواب دیا جائے کہ اللہ کے احکام قرآن مجید اور دیگر کتب سماوی میں موجود ہیں ان پر عمل پیرا ہونا ہی خدا کی اطاعت ہے تو میں کہوں گا کہ ہر انسان مسلم و غیر مسلم تعلیم یافتہ و ان پڑھ کو مطالعہ کتب کا مکلف کیسے ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ باری تعالی نے خود ہی اس الجھن کو دور فرما دیا ہے۔ اور جس طرح حب اللہ کے لئے اپنا فرمان جاری کیا ہے اسی طرح اطاعت اللہ کے

بارے میں یہ حکم صادر کیا ہے کہ :

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (سورۂ نساء ۷۹)

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اب ملاحظہ کیجئے وہ انداز اطاعت الرسولؐ جسے ایمان کی کسوٹی قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ :

فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجد وا فی انفسھم حرجا" مما قضیت و یسلموا تسلیما○ (سورۂ نساء ۶۴)

پس تیرے رب کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ ان جھگڑوں میں جو ان کے مابین ہیں تجھے حکم نہ بنائیں۔ پھر تو جو بھی فیصلہ کرے اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے اس طرح تسلیم کر لیں جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے۔

اب پروردگار عالم اطاعت گزاروں کے لئے عظیم انعامات کا اعلان کرکے اطاعت رسولؐ کی جانب رغبت دلاتا ہے کہ :

"اور جنہوں نے اللہ اور الرسول کی اطاعت کی وہی تو ہیں جو ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا۔ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں میں سے اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہوں گے۔" (سورۂ نساء آیت ۶۸)

سورۂ حدید میں کہا کہ :

اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ۔ وہ تم کو اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے گا۔ اور تمہارے لئے ایک نور قرار دے گا۔ جس کے ذریعے تم چلو پھرو گے اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا رحیم ہے۔" (الحدید آیت ۲۸)

آپ نے غور فرمایا کہ کبھی تو اس اطاعت گزاری کا صلہ انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کی معیت بتلا کر کبھی رحمت کے دو حصوں کا وعدہ کرکے کبھی ایسا نور عطا کرنے کا مژدہ دے کر جس کی حفاظت میں مطیع چلے پھرے گا اور کبھی اس اطاعت کو مغفرت کا ذریعہ قرار دے کر اس کی طرف خصوصی رغبت دلائی گئی ہے۔

اس کے برعکس الرسولؐ کی اطاعت سے گریز یا سرکشی کی پاداش میں سنگین سزا سے ڈرایا جا رہا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و لا تبطلوا اعمالکم (سورۃ محمد آیت ۳۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ [1]

یومئذ یود الذین کفروا و عصو الرسول لو تسوی بھم الارض (سورۃ النساء آیت ۴۲)

اس دن وہ لوگ جنہوں نے الرسول کا انکار اور (ان کی) نافرمانی کی تھی۔ آرزو کریں گے کہ کاش وہ زمین میں پیوند خاک ہو جاتے اور زمین ان پر ہموار ہو جاتی۔

"اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو النبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ اور ان سے اونچی آواز میں گفتگو مت کیا کرو جیسے تم (عموماً) ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہو۔ (خبردار) ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور تک

[1] یہ آیت تعجب خیز ہے۔ مخاطب اہل ایمان ہیں۔ جو باعمل بھی ہیں۔ توحید و رسالت پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ پھر بھی اطاعت اللہ اور اطاعت الرسول کی تاکید کرتے ہوئے اعمال کے باطل ہونے کا رعب دیا جا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امر خاص کی اطاعت مطلوب ہے۔ چنانچہ مناسب سمجھا جاتا ہے کہ سورۃ محمدؐ کا ترجمہ ہدیہ قارئین کر دیا جائے تاکہ اصلی مدعا تک رسائی پانے میں سہولت میسر آ جائے۔ ارشاد ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی سے راہ سے روکا (سبیل اللہ سے منہ موڑا۔ اعراض کیا) ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔ (خطاب سے واضح ظاہر ہے کہ مخاطب دعویداران اسلام ہیں اور وہ اعمال بھی کرتے تھے مگر انہوں نے اللہ کے خاص امر سے اعراض کیا ہے لہٰذا ان کے تمام اچھے کام بے کار کر دیئے گئے ہیں۔)

۲۔ اور وہ لوگ جنہوں نے ایمان قبول کر لیا اور اعمال صالحہ بجا لائے اور اس پر بھی ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کیا گیا اور وہ برحق ہے۔ یا ان کے رب کی طرف سے ان کے گناہ ان سے دور کر دیئے گئے اور ان کی اصلاح کر دی گئی۔

(مخاطب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان کے ساتھ اعمال کئے اور اس امر پر بھی ایمان لائے جو محمدؐ پر رب کی طرف سے نازل کیا گیا جو کہ حق ہے۔ لہٰذا چونکہ انہوں نے اس امر خاص سے منہ موڑا منہ نہ موڑا راہ خدا میں رکاوٹ کھڑی کی لہٰذا ان کی لغزشوں کو معاف کر کے ان کی اصلاح کر کے ان کی حالت کو سنوار دیا گیا۔)

۳۔ یہ اس لئے کہ انکار کرنے والوں نے باطل کا اتباع کیا۔ مومنین نے اپنے رب کی طرف سے آمدہ حق کا اتباع اختیار کر لیا۔ اللہ اسی طرح لوگوں کو سمجھانے (سبق دینے) کے لئے امثال بیان کرتا ہے۔

۴۔ جب تم کافروں کے مقابل آؤ تو ان کی گردنیں مارو۔ یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب پٹائی کر چکو تو ان کی مشکیں کس لو۔ پھر اس کے بعد یا تو ان پر احسان کرو (چھوڑ دو) یا فدیہ لے لو۔ یہاں تک کہ (دشمن) اپنے ہتھیار ڈال دے۔ ایسا ہی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے (خود) بدلہ لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش کرے ایک دوسرے کے ذریعے۔ اور جو لوگ راہ خدا میں قتل ہوئے تو وہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

(اس آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کو اطاعت کا تقاضا قرار دیا گیا ہے۔)

۵۔ انہیں عنقریب منزل مقصود تک پہنچائے گا اور ان کی حالت کو سنوار دے گا۔

۶۔ اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کا انہیں (پہلے سے) شناسا کر رکھا ہے۔

۷۔ اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کے (دین) کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو ثبات عطا کرے گا۔

(اس سے وہ لوگ خارج ہیں جو محض مال غنیمت کے لالچ سے جہاد میں شریک ہوتے تھے اور جب سختی پیش آتی تو رسولؐ اللہ کو بھی تنہا چھوڑ کر میدان سے چل دیتے تھے چونکہ خدا تو پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔)

۸۔ انکار کرنے والوں کے لئے تو تباہی ہے اور خدا ان کے اعمال کو برباد کر دے گا۔

۹۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اس (امر) سے کراہت کی جو اللہ نے نازل فرمایا پس اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا۔

۱۰۔ تو کیا وہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھ لیتے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا؟ اللہ نے ان کو تباہ کر دیا اور انکار کرنے والوں کا بھی ویسا ہی انجام ہے۔

۱۱۔ یہ اس وجہ سے کہ ایمان (بر منزل من اللہ) لانے والوں کا اللہ مولا ہے اور منکروں کا کوئی مولا نہیں ہے۔

۱۲۔ بے شک اللہ ان کو جو (اللہ کے نازل کردہ امر پر) ایمان لے آئے اور اچھے اچھے کام کرتے رہے ضرور جنتوں میں پہنچائے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جنہوں نے اس (امر) سے کفر کیا وہ (اس دنیا سے) متمتع ہوتے ہیں (چین سے بسر کرتے ہیں) اور اس طرح کھاتے (پیتے) ہیں جیسے چوپائے (چرتے) ہیں۔ اور آخر ان کا ٹھکانہ آگ (جہنم) ہے۔ (یعنی دنیا میں خوش حال ہیں۔)

۱۳۔ اور جس قریئے سے تم کو نکال دیا گیا ہے اس سے قوت میں کہیں زیادہ شدید قریے تھے جن کو ہم نے ہلاکت میں ڈال دیا تو ان کا کوئی مددگار بھی نہ ہوا۔

۱۴۔ تو کیا جو شخص! اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اس کے برابر ہو سکتا ہے جس کی بدکاریاں اسے بھلی کر دکھائی گئی ہوں اور وہ ہوئی (نفس) کا اتباع کرتے ہوں۔

۱۵۔ جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس میں پانی کی نہریں ہیں جن میں ذرا بو نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزا تک نہیں بدلا اور شراب (پاک) کی نہریں جو پینے والوں کیلئے لذت ہیں اور صاف شفاف شہد کی نہریں ہیں اور وہاں ان کے لئے ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔ (بھلا یہ بھلے لوگ) ان کے برابر ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

۱۶۔ (اور اے رسولؐ) (ان جہنمیوں میں) بعض ایسے بھی ہیں (جو تمہاری صحبت و مجالس میں شریک رہتے ہیں) تمہاری باتیں سنتے ہیں۔ یہاں تک کہ سن سنا کر جب تمہاری محفل سے نکلتے ہیں تو جن (خوش نصیب اصحاب) کو العلم دیا گیا ہے ان سے کہتے ہیں (یار) ابھی اس شخص نے کیا کہا تھا یہ وہی (اصحاب) ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے (کفر کی) علامتیں مقرر کر دی ہے۔ اور یہ اپنی اھوئی (نفسانی خواہشوں) کا اتباع کرتے ہیں۔

۱۷۔ اور وہ جو ہدایت یافتہ ہیں وہ (اللہ) ان کی ہدایت میں زیادتی کرتا ہے اور ان کو تقویٰ کی (توفیق) عطا فرماتا ہے۔

۱۸۔ پس وہ (بے ہدایت لوگ) کیا اس کے منتظر ہیں کہ (فیصلے کی) ساعت انہیں اچانک آ دبوچے؟ سو اس کی علامتیں تو آ چکی ہیں پس جب وہ (قیامت کی گھڑی) ان کے سر آپہنچے گی تو پھر نصیحت ان کے کس کام کی؟

۱۹۔ پس خوب جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اپنے اور مومنین و

مومنات کے گناہ کی معافی مانگتے رہو اور خدا تمہارے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے سے واقف ہے۔
(یعنی لا الہ الا اللہ کا علم حاصل کرو۔ کلمہ کی معرفت معلوم کرو۔ طوطے کی طرح رٹ نہ لگاؤ۔)

۲۰۔ اور وہ کہتے ہیں جو ایمان لائے کہ کوئی سورۃ نازل کیوں نہیں ہوتی۔ لیکن جب کوئی محکم سورت نازل ہو اور اس میں قتال (آپس میں کشت و خون و جنگ کرنا) کا ذکر ہو تو ان کو دیکھتا ہے جن کے دلوں میں مرض (نفاق و بے چینی) ہے تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو۔ (یعنی اچھا تھا کہ سچ مچ ان پر موت کی غشی چھا جاتی۔ آنکھیں پتھرا جاتیں' مراد یہ ہے کہ وائے ہو ان بدبختوں پر!) حالانکہ ان کے لئے یہی بہتر تھی۔

۲۱۔ "طاعت" (فرمانبرداری) اور "قول معروف" (جانی پہچانی مشہور اور پسندیدہ بات۔ اللہ کی تابعداری کا قول) کیونکہ جب الامر (امر خاص) کا عزم ہو گیا تو اب (بھلائی یہ ہے کہ) یہ لوگ اللہ کے ساتھ (صدقو) سچے رہیں تو ان کے لئے خیر ہو گی۔ (ورنہ شر اور بربر)

۲۲۔ (مگر کچھ دور نہیں) عنقریب تم حکمران بنا دیئے جاؤ گے۔ زمین پر فساد پھیلانے اور رشتے ناتوں کو توڑنے لگو گے۔

(یعنی مستقبل قریب میں تم جو صیغہ حاضر کا اثر پاتے ہوئے اولین مخاطب ہو کم سے کم تین ہو بادشاہ بن جاؤ گے اور فتوحات کے نام پر خدا کی زمین پر فساد برپا کرو گے۔ ارحام کو قطع کرو گے' کلمہ گو مومن مسلمانوں کو سیاسی انتقام کا نشانہ بناؤ گے۔)

۲۳۔ وہی لوگ جن پر خدا نے لعنت کی ہے۔ ان کے کانوں کو بہرہ اور آنکھوں کو اندھا کر دیا۔
(کیوں کہ امر خاص کی "طاعت" اور "قول معروف" کی تصدیق کرنے سے پہلوتہی کی ہے۔ حالانکہ قرآن میں اس کی تاکید ہے۔)

۲۴۔ کیسے (بے ہودہ) لوگ ہیں کہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل ہیں۔

۲۵۔ بے شک وہ لوگ جو ہدایت معلوم کر لینے کے بعد بھی الٹے پاؤں پھرتے ہیں' شیطان نے انہیں (جاہ و منصب و رتبے) دے کر ڈھیل دے رکھی ہے اور ان کی (آرزوؤں کی) رسیاں لمبی کر دی ہیں۔

۲۶۔ وہ اس طرح ہے کہ یہ (مرتد) لوگ ان (لیڈروں) سے کہ جنہوں نے اس (امر) سے کراہت (ناپسندیدگی) کی جو خدا نے نازل کیا کہتے ہیں کہ ہم "بعض الامر" میں تمہاری اطاعت کریں گے اور اللہ ان (لوگوں) کے اسرار (خفیہ سازشوں) سے واقف ہے۔

۲۷۔ (ان حریص حکم عدولوں اور نافرمانوں کا انجام یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے اس وقت ان کا یہ حال ہو گا کہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔

۲۸۔ اس (ذلت آمیز سلوک) کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس کا اتباع کیا جس نے اللہ کو ناراض کیا اور کراہت (ناپسندیدگی) کی (اس کے اتباع سے) جس کو اللہ نے رضوان (پسند) کیا

پس اللہ نے بھی ان کے اعمال (نیک و بد) کو ملیا میٹ کر دیا۔
(نمازیں' روزے' حج سب کچھ اکارت ہو گیا۔)

۲۹۔ کیا ایسے (منافق) لوگ جن کے دل میں مرض ہے (سازشی ہیں) یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ ان کے کینوں کو کبھی ظاہر نہ کرے گا۔

۳۰۔ اور اگر ہم چاہتے تو تم لوگوں کو یہ لوگ دکھا دیتے کہ تم لوگ ان کی پیشانیوں سے ان کو پہچان لیتے اور (مگر) تم ان کو ان کے انداز گفتگو سے ضرور پہچان لو گے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔

۳۱۔ اور ہم تم لوگوں کی ضرور آزمائش کریں گے تاکہ تم میں جو لوگ مجاہدے کرنے والے ہیں (مصائب جھیلنے والے ہیں) اور صابر ہیں (ثابت قدم ہیں) ان کو جان لیں اور تمہارے (تمام) حالات کی جانچ (پڑتال) کر لیں۔

۳۲۔ بے شک جن لوگوں نے (امر الٰہی) کا انکار کیا اور راہ خدا میں رکاوٹ کھڑی کی اور الرسولؐ کی مخالفت کی' بعد اس کے کہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی تھی تو وہ اللہ کو تو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور یہ کہ ان کے (سارے) اعمال اکارت کر دیئے جائیں گے۔

۳۳۔ (لہٰذا) اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! (بھلائی یہ ہے کہ) اللہ کی اطاعت (تعمیل حکم) کرو۔ اور الرسولؐ کی اطاعت (فرمانبرداری) کرو۔ اور اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔

۳۴۔ بے شک جنہوں نے انکار کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا پھر وہ اسی حالت انکار میں مر گئے تو خدا ہرگز ان کی مغفرت نہ کرے گا۔ (چاہے وہ کتنے ہی شیوخ و پارسا کیوں نہ ہوں)

۳۵۔ پس (اے اطاعت گزارو!) تم ہمت نہ ہارو۔ (دل برداشتہ نہ ہو) اور نہ ہی ان (منکروں) کو سلم (صلح' سلامتی' کسی کی فرمانبرداری میں گردن خم کرنا) کی دعوت دو۔ تم اعلون (غالب) ہی رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کم نہیں کرے گا۔ (علیؑ والے ہو' جو غالب علیٰ کل غالب ہے۔)

۳۶۔ (اگر دنیوی اعتبار سے کمزور ہو تو اس کو خاطر میں مت لاؤ) بالتحقیق دنیوی زندگی تو بس کھیل تماشہ ہے۔ اور اگر تم ایمان والے ہو اور متقی ہو تو وہ تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا۔

۳۷۔ اور اگر وہ تم سے مال طلب کرے اور تم سے اصرار کر کے مانگے تو تم بخل کرنے لگو گے اور خدا تو تمہارے کینے کو ضرور ظاہر کر کے رہے گا۔

۳۸۔ دیکھو تم لوگ وہی تو ہو کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہو تم میں بعض ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں اور (یاد رہے کہ) جو بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے اور خدا تو بے نیاز ہے اور تم (اس کے) محتاج ہو اور اگر تم (اللہ کے حکم سے) منہ پھیرو گے تو خدا (تمہارے بدلے) دوسری قوم کو بدل دے گا جو تمہارے جیسے نہ ہوں گے۔

(امنت باللہ صدق اللہ علی العظیم)

قارئین کرام! آپ نے سورۂ محمدؐ کے ترجمہ کا مطالعہ فرمانے کی سعادت حاصل فرمائی' جس کا ایک ایک لفظ مسلمانوں کی تاریخ پر روشنی ڈال رہا ہے۔ گو کہ یہ مبارک سورۂ Self Explainatory ہے۔ پھر بھی بعض تفصیلات کا تطابق قرآن مجید سے کرتے ہوئے ایک اہم ترین موضوع پر تبادلہ خیال کرنا مفید سمجھا گیا ہے۔ سورۂ مبارکہ کی اولین تین آیات کی جانب دوبارہ توجہ مبذول کرائی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کے اعمال کو اس لئے اکارت کیا گیا ہے کہ انہوں نے **بما نزل علی محمد و ھو الحق من ربھم** (جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ان کے رب نے نازل کیا اور وہ (امر) برحق ہے) کا انکار کیا۔ یہ اظہر من الشمس ہے کہ یہ امر انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ جس کی تعمیل کے لئے پروردگار عالم سخت ترین تاکید فرما رہا ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں احباط اعمال کی سزا تجویز کر رہا ہے۔ اور اطاعت گذاروں کے لئے گرانقدر انعامات کی نوید سنا رہا ہے۔ بیان قرآن سے صاف ماخوذ ہوتا ہے کہ مخاطبین میں دو طرح کے لوگ ہیں' بعض اس نازل شدہ امر کو ناپسند کرتے ہیں اور خفیہ ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں اور بعض اس امر کی اطاعت کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ دنیوی اعتبار سے اطاعت گذار گروہ طاقتور نہیں۔ کمزور ہے۔ دولت مند بھی نہیں۔ کثیر التعداد بھی نہیں کہ خود اللہ آیت ۳۵ اور ۳۶ میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے انہیں ہمت نہ ہارنے کی نصیحت کر رہا ہے اور ان کو اپنے ساتھی اور اعلون فرما رہا ہے۔ نیز دنیوی حیات کو لعب و لہو قرار دے رہا ہے۔ مخالفت امر کی شدت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ خدا کو مقدار سزا میں بھی شدت اختیار کرنا پڑی ہے اور تمام اعمال کو اکارت کر دینا اس حکم عدولی کی سزا مقرر ہوئی ہے۔ لہٰذا دیکھئے کہ یہ عالی مرتبت امر کون سا نازل کیا گیا ہے۔ جس کے انکار پر کیئے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔ چنانچہ آیئے قرآن ہی سے پوچھتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ :

یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ و اللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکفرین ○ (المائدہ ۶۷)

اے رسولؐ! پہنچا دے اس (امر) کو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا ہے۔ (خبردار اے نبیؐ!) اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے (پوری) رسالت ہی کو نہیں پہنچایا۔ اور (حوصلہ رکھو) اللہ تم کو (شرپسند) لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ بے شک اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

غور فرمایئے یہ ایسا ضروری حکم ہے کہ لہجہ پروردگار پر جلالت کا رنگ اپنے عروج پر نظر آ رہا ہے۔ جس طرح اس کے نافرمانوں کو اعمال کے اکارت کر دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اسی طرح محبوبؐ خدا کو بھی تاکید کی جا رہی ہے کہ اگر آپؐ نے یہ حکم نہ پہنچایا تو سمجھ لیجئے کہ پوری رسالت ہی کو خطرہ ہے۔ یہ حکم لوگوں پر اس طرح شاق ہے کہ خدا کو خود اس کا احساس ہوا ہے اور اس نے اپنے رسولؐ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رہنے کی ضمانت دی ہے۔ نیز یہ کہ اگلی آیت میں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ **و لیزیدن کثیرا منھم و ما انزل الیک من ربک طغیانا**

و کفروا فلا تاس علی القوم الکفرین یعنی اے رسولؐ جو امر تیرے رب نے تجھ پر نازل کیا ہے وہ ان کی کثیر تعداد کے طغیان (سرکشی) اور کفر (انکار) میں زیادتی کرے ہے۔ (لہٰذا تم) اس انکار کرنے والوں کی قوم کی جانب سے افسردہ خاطر نہ ہونا۔ (رسولؐ کو روائتی کفار کے کفر و طغیان کی زیادتی پر کیا افسوس ہوتا؟)

اب ہم امام اہل سنتہ حافظ جلال الدین سیوطی سے استفادہ کرتے ہیں۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ آیت تبلیغ امیرالمومنین علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے مقام پر اتری اس لئے ابن مردویہ نے ابن مسعود سے روایت کیا کہ ہم اصحاب پیغمبر زمانہ رسولؐ میں پڑھا کرتے تھے۔ **یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک "ان علیا مولی المومنین" و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ و اللہ یعصمک من الناس** یعنی اے رسولؐ جو حکم اس بات کا کہ "علی تمام مومنین کے حاکم ہیں" تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے' پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو کہ تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا۔ (ملاحظہ کیجئے تفسیر درمنثور جلد ۲ ص ۲۹۸ مطبوعہ مصر)

اب امام سیوطی کی اس منقولہ روایت کی تائید قرآن مجید سے حاضر ہے۔ سورۂ محمد کی آیت ۹' ۱۰ اور ۱۱ میں دیکھئے۔ **ذالک بان اللہ مولی الذین امنو و ان الکفرین لا مولی الھم** یعنی کافر ایسے ہیں کہ جن کا کوئی مولا نہیں۔ مومن ہے تو اس کا مولا علیؑ ہے' مولا رسولؐ اور مولا اللہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ نازل شدہ حکم ولایت امیرالمومنین علیہ السلام ہی ہے کہ جس کی سرتابی کرنے کی صورت میں اعمال کے حبط ہونے کا اعلان کیا گیا ہے اور یہی وہ اطاعت خاص ہے جو رسول اللہ اور رب رسولؐ کو مطلوب ہے۔ سورۂ مائدہ کی کی آیت ۵۵ اور ۵۶ یوں ہیں کہ:

بے شک تمہارے ہیں ولی اللہ اور اس کا رسولؐ اور وہ ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

پس جس کسی نے اللہ کو اور اس کے رسولؐ کو (مذکورہ) اہل ایمان کو مولا مانا (پس وہ سمجھ لے) کہ اللہ کا گروہ ہی غالب رہنے والا ہے۔

پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کا نازل کردہ حکم خاص امت تک پہنچایا تو خداوند متعال نے اعلان فرمایا "آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے (اس) دین اسلام پر راضی ہو گیا۔" (المائدہ ۳)

چنانچہ امام اہل سنتہ حافظ جلال الدین سیوطی اس واقعہ کو قلم بند کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری حج سے فارغ ہو کر مدینے واپس چلے تو راستے میں ۱۸ ذی الحجہ کو مقام غدیر پر اللہ کی جانب سے تاکیدی حکم موصول ہوا۔ کہ لوگوں کو مت خاطر میں لاؤ اور ان کی ناپسندیدگی کی پرواہ کئے بغیر ہمارا پیغام نشر کر دو۔ چنانچہ حضورؐ نے مسلمانوں کو روکا

اور مجمع کثیر کے سامنے ایک طولانی خطبہ ارشاد فرمایا اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ بلند فرما کر اعلان کیا۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اللهم و ال من والاہ و عاد من عاداہ و انصر من نصرہ و اخذل من خذلہ یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علی حاکم ہے۔ خدایا! جو اس کو دوست رکھے تو اسے دوست رکھ جو اس سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ جو اس کی نصرت کرے تو اس کی نصرت فرما اور جو اس کی تذلیل کرے تو اسے ذلیل کر۔ اس کے بعد لوگوں نے علی علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کیا۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب نے مبارکبادی دیتے ہوئے کہا اے علیؑ! مبارک ہو کہ آج آپ ہمارے کل مومنین و مومنات کے حاکم ہوئے۔ ملاحظہ فرمایئے مشکوۃ۔ چنانچہ جب یہ سب ہو چکا تو آیہ وا فی ہدایہ **الیوم اکملت لکم دینکم۔ الخ** نازل ہوا۔ (دیکھئے تفسیر درمنثور جلد ۲ ص ۲۰۹ مطبوعہ مصر)

خدا نے اتمام حجت کی خاطر سورۂ مائدہ میں یہاں تک تاکید فرمائی ہے کہ:

"اللہ کی نعمت (جسے پورا کر دیا گیا تم پر) اور عہد جس کا تم سے پکا اقرار لے لیا ہے کو یاد رکھو۔ جب تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور خدا کا خوف کھاؤ' بے شک اللہ تمہارے دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔ اے مومنو! اللہ کی خوشنودی کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے تیار رہو اور تمہیں کسی قبیلے (خصوصاً" بنی ہاشم) کی عداوت اس جرم میں ملوث نہ کر دے کہ تم نا انصافی کرنے لگو بلکہ تم عدل پر قائم رہو۔ یہ بات تقویٰ کے قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ (کیونکہ) جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب کو خوب جانتا ہے۔ (المائدہ ۸)

و ما علینا الا البلاغ

نہ ہو۔" (سورۂ حجرات ۲)

آپ غور فرمایئے کہ رسولؐ اللہ کی نافرمانی کرنے کی کتنی سنگین سزا بتلائی گئی ہے۔ اللہ توبہ کہ حضورؐ کی بے ادبی و نافرمانی تمام اعمال صالح کو یک لخت ملیا میٹ کر دیتی ہے۔ یہ اطاعت مطلق کا حکم ختمی مرتبتؐ کے ارفع مقام اور اعلیٰ منزلت کی شاندار دلیل ہے۔

انسان فطرتاً" حریت پسند ہوتا ہے۔ وہ طبعاً" کسی کا اطاعت گزار بن کر زندگی گزارنا پسند نہیں کرتا۔ البتہ اپنے مفادات کی خاطر ماحول سے سمجھوتہ کرتے ہوئے وہ اس زنجیر کو پہن لینا قبول کر لیتا ہے۔ ماں باپ اور مربی کی اطاعت سے لے کر عام

حاکم و افسر کی فرمانبرداری تک کسی بھی نوعیت کی اطاعت کے فلفسے کو دیکھئے تو یہی نتیجہ برآمد ہو گا کہ بلا مجبوری یا معذوری خواہ اس کی نوعیت کیسی ہی ہو انسان کی طبیعت اپنے جیسے دوسرے انسان کی اطاعت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ جب کسی کمزوری یا عاجزی یا دیگر سبب کے باعث کسی کو مطاع تسلیم کرنا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں اس مطاع کے مقام، رتبہ، مدارج اور مراتب سے معرفت حاصل کرنے کا تجسس ازخود پیدا ہوتا ہے۔

مطاع کا اقتدار، تصرف کا دائرہ، اختیارات کی وسعت، خصائل اور شمائل غرضیکہ تمام پہلوؤں کی معرفت جس قدر یقینی ہوتی جائے گی شوق اطاعت میں اضافہ ہو گا۔ چنانچہ جب ہم اطاعت رسولؐ کے مطلق امر کا جائزہ لیتے ہیں تو اس ذات اقدس کی معرفت حاصل کرنے کا سوال خودبخود پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ اگر وہ ہم جیسے عام بشر ہیں تو پھر قادر مطلق نے ہمارے جیسے کی اطاعت کا حکم کیوں صادر کیا؟ ایسی اطاعت کہ جس میں نہ کوئی استثناء ہے نہ رعایت۔

اگر ہم حکم اطاعت کو ایک ایسے بشر سے منسوب کرلیں جو ہماری طرح جسم و مکاں و زماں میں محدود ہے تو مندرجہ ذیل سوالات ذہن میں آتے ہیں۔

۱۔ عدل کا تقاضا ہے کہ دین فطرت کے فیوض سے ہر انسان یکساں طور پر فیض یاب ہو۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس زمانے میں سرزمین عرب پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمانی ظہور ہوا اور آپ نے اپنی ظاہری زندگی بسر کی۔ اس زمانے اور علاقے کے اس وقت میں موجود افراد نے آپؐ کی ذات بابرکات سے دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ فیض حاصل کیا۔ دوسرے زمانوں اور مقاموں کی آبادیوں کو اس سعادت سے کیوں محروم کیا گیا؟

۲۔ عموماً" انسان کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اس کے گھر والوں کا ہوتا ہے۔ لہٰذا

غیر مسلم کی اولاد پیغمبرؐ اسلام کی طرف توجہ کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ پھر ان سے آپؐ کی اطاعت کا مطالبہ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کی رحمت للعالمین کی رحمت سے محرومی کس طرح عدل پر مبنی ہو سکتی ہے؟

اب اگر اطاعت رسولؐ کو صرف حضورؐ کی ظاہری حیات کے متعلق فرض کر لیا جائے تو پھر قبل از بعثت نوع بشری کو جہاں فیوض نبوی سے محروم ماننا پڑے گا۔ وہاں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرتؐ کے جسمانی زمانے کی بھی بہت قلیل تعداد آپؐ کے فیوض سے بہرہ ور ہوئی اور اس طرح آپؐ کی ظاہری حیات کے بعد آنے والی انسانوں کی بھاری اکثریت اس نعمت سے محروم رہی۔ حالانکہ یہ مفروضہ سرکارؐ دو عالم کے رحمت للعالمین ہونے کے تصور کی نفی کرتا ہے۔

اللہ' اس کا کلام' اس کا دین جس رسولؐ کی اطاعت کا طالب ہے' اس کی حقیقت کو تو فطری اور ہر شک سے مبرا ہونا لازمی ہے۔ دین الہٰی فطرت اللہ ہے جو زمان و مکان سے بے نیاز ہے پھر فطرت اللہ کے رسولؐ پر زمانے اور مکان کی قید کیوں لگائی جائے؟ وہ مدثر تو فطرت کی اوڑھنی اوڑھے ہر نفس کو ہر دم اپنا پیغام پہنچاتا اور **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** کا جلوہ دکھاتا ہے۔ ہمارے موقف کے اثبات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل مخلوق پر ہر زمانے میں شہید ہیں۔ جبکہ شہید چشم دید گواہ کو کہا جاتا ہے۔ اور شاید اسی رتبہ کے پیش نظر اللہ نے نافرمان رسولؐ کے لئے اعمال کے حبط کر دینے کی سزا مقرر فرمائی ہے۔ قرآن مجید سے ماخوذ ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمان و مکان کی قید سے ماورا ہر انسان کے افعال پر عینی شاہد ہیں۔ مثلاً ارشاد ہے کہ

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھٰؤلاء شھیدا ○

(سورۂ نساء ۴۱)

پس اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے (ان پر) ایک چشم دید گواہ لائیں گے اور تجھے ان سب پر چشم دید گواہ لائیں گے۔

یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ حضور اکرمؐ ہر زمانے کی ہر امت پر چشم دید گواہ ہیں۔

۲۔ اور جس دن ہم ہر امت پر انہیں میں سے ایک چشم دید گواہ کھڑا کریں گے اور (پھر) تجھے ان سب پر ایک عینی شاہد لائیں گے۔ (سورۂ نحل ۸۹)

مذکورہ بالا دونوں آیتیں ہر صاحب فہم کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تفہیم منزلت کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

۳۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے ہی نفسوں میں سے ایک رسول آگیا ہے اس پر وہ چیز بہت بھاری ہے جو تمہیں برباد کرتی ہے۔ اس (رسولؐ) کو تمہاری بہبود کی بہت حرص ہے۔ مومنین پر بہت نرم دل رحیم ہے۔ (سورۂ توبہ ۱۲۸)

اپنے اندر غور کرنے سے ہر انسان چاہے اس کا تعلق کسی فرقے' کسی مذہب' کسی سماج سے ہو اس حقیقت کو محسوس کر سکتا ہے کہ ہر غلط کام کرنے سے پہلے ایک غیبی قوت اسے اس برے ارتکاب سے باز رہنے کی ہدایت کرتی ہے۔ کس قدر حریص ہے وہ نہ نظر آنے والی نورانی ہستی جو انسان کو ہر خرابی سے بچانے کی تلقین کرتی ہے اور جو اس کی اطاعت کرکے فرمانبرداری کا ثبوت دیتے ہیں ان کو سکون قلب کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ یہ ہے اس کی شفقت جو آپ حضرات نے دین اسلام کی تعریف میں مطالعہ فرمائی ہے۔

۴۔ "بے شک ہم نے تجھے شاہد' بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔"

(سورۂ فتح ۸)

یہ آیت بھی اس غیر مرئی نورانی قوت کی معرفت عطا کرتی ہے جس کی حقیقت کو ہر صاحب شعور اپنے اندر غور کرکے محسوس کر سکتا ہے۔ بڑا ظلم ہو گا اگر آیات قرآن کی حقیقت کو اپنے نفس کی پہچان کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

۵۔ **و اعلمو ان فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم** اور خوب جان لو کہ تم میں رسول اللہ موجود ہیں۔ اگر وہ اکثر امور میں تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم لوگ برباد ہو جاؤ گے۔ **(الحجرات ۷)**

سورۂ حجرات کی یہ مبارک آیت سطور بالا کی روشنی میں خصوصی توجہ کی طلبگار ہے جو یہ مطلب صاف صاف ادا کر رہی ہے کہ بے شک اللہ کا رسولؐ تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے تمہارے ساتھ ساتھ ہے اور اگر وہ تمہاری خواہشات نفسانی (جو اکثر و بیشتر امور میں کارفرما ہوتی ہیں) کی باتیں مان لے تو تم لوگ تباہ ہو جاؤ۔ مگر وہ ایسا ہرگز نہیں کرتا وہ تو ہر غلط عمل کے ارادہ پر ہی آڑ بن جاتا ہے اور تم لوگوں کو متنبہ کرتا رہتا ہے۔

۶۔ سورہ طلاق میں کہا گیا ہے کہ :

بے شک اللہ نے تم پر ذکر کو نازل کیا ہے۔ ایک رسولؐ (کی شکل میں) جو تم پر اللہ کی کھلی آیات کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور صالح اعمال کرتے ہیں اندھیروں میں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے۔ **(الطلاق ۱۱،۱۰)**

یہاں خدا نے اپنے رسول کو ذکر کہا ہے جو ہم سب کے لئے نازل کیا گیا پھر اس کا فرض بتایا گیا ہے کہ وہ ہمیں اللہ کی واضح نشانیاں بتاتا ہے تاکہ جو اس کی اطاعت کرتے ہوئے نیک کام کریں ان کو غفلت کی تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے۔

۷۔ یہی سبب ہے کہ بار بار خدا رسولؐ کے اتباع کرنے کی تلقین کر رہا ہے اور فرماتا ہے کہ:

اے مومنو! اللہ اور رسولؐ کے حکم کو دل سے قبول کر لو۔ جب وہ تمہیں اس امر کی جانب دعوت دے جو تم کو حیات بخشتی ہے۔ (سورۃ الانفال ۲۴)

اس مقام پر بھی خدا نے الرسولؐ کو حیات ابدی کی طرف دعوت دینے والا بتایا ہے۔ اسے جو اس کے حکم کو دل سے مان لے' یہ آیت بلاشبہ ہر زمانے اور ہر انسان کے لئے حکم عام ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیات جاودانی کے لئے اطاعت رسولؐ شرط ہے۔

۸۔ رسول کے ایسے مطیع' تابع فرمان اور پیروکار گروہ کو اللہ نے امت وسط سے موسوم کیا ہے اور ان سے کہا ہے کہ

و کذلک جعلنا کم امتہ و سطا" لتکو نوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا (البقرہ ۱۴۳)

اور یوں ہم نے تمہیں "امت وسط" قرار دیا۔ تاکہ تم لوگوں (کے اعمال و افعال) پر چشم دید گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو۔

"اُمَّۃً وَسَطًا" سے مراد خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہے۔ کیونکہ مستعمل لفظ "وَسَطًا" ہے "وَسْطا" نہیں۔ اس آیت کے مصداق وہی افراد ہو سکتے ہیں جو الرسولؐ کی اطاعت کامل کرنے والے ہیں۔ اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ الناس (یعنی انسانوں کے) کے اعمال پر عینی شاہد ہیں جبکہ الرسولؐ ان پر شہید ہیں۔ عام مسلمانوں پر امت وسط کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ لوگوں کے اعمال کے گواہ ہونے کی اہلیت و صلاحیت سے محروم و قاصر ہیں۔ بلکہ یہ ایک خاص گروہ ہے جو اولیاء اللہ کا ہے۔

۹۔ پھر ارشاد ربانی ہے کہ :

"کیا ہم تم کو اس لئے "ذکر" سے نظر انداز کر دیں گے کہ تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔ (الزخرف ۵)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فاسق، فاجر، مسرف اور حد سے بڑھ جانے والے کو بھی نور ہدایت سے محروم نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ غیر مرئی نورانی قوت تو ہر نیک و بد شخص کو اندر ہی اندر نصیحت و ہدایت کرتی رہتی ہے۔

۱۰۔ ہدایت کے اس منظم طریقے جو کہ خود کار نظام کے مطابق رائج ہے کے باوجود بھی اگر انسان اس سے بہرہ ور ہونے سے محروم رہے گا تو اس کی بدبختی ہے جس کا کلیتہً ذمہ دار وہ خود ہے۔ لہٰذا فیصلے کے دن جب اللہ سب کو جمع فرمائے گا تو اس روز منظر یہ ہو گا کہ :

و جاء ت کل نفس معها سائق و شهيد (ق ۲۱)

اور ہر نفس آئے گا اس طرح کہ اس کے ساتھ ایک پیچھے سے ہانکنے والا (شیطان، نفس امارہ) اور ایک (اس کا) عینی گواہ ہو گا۔

یعنی دربار الٰہی میں پیشی اس انداز سے ہو گی کہ اس کے ساتھ اس کا سائق ہو گا۔ سائق پیچھے سے ہانکنے والے یعنی ڈرائیور کو کہتے ہیں۔ لفظ امارہ کے لغوی معنی بہت حکم چلانے والے کے ہوتے ہیں۔ نفس امارہ بھی انسان پر اس طرح کا حاکم ہے ۔ مسلسل حکم پر حکم دیتا رہتا ہے اور انسان کو برائی کی طرف ہانکتا ہے۔ اور دوسرا وہ چشم دید گواہ ہو گا جو انسان کو نظر تو نہیں آتا مگر وہ اپنی غیر مرئی نورانی قوت سے اس کو ہر لحظہ قدم بقدم نوک ٹوک کرتا ہے۔ برائی سے روکتا ہے۔ نیکی کی طرف مائل کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے اعمال پر شہید ہے۔

اس مقام پر اس کی غفلت کا ذکر کیا جائے گا جیسا کہ اگلی آیت میں ہے کہ "بے

شک تو اس کے بارے میں غفلت میں تھا چنانچہ اب ہم نے تمہارا وہ پردہ ہٹا دیا ہے۔ پس آج تیری نظر تیز ہے۔"

پھر اس کا ساتھی (شیطان۔ نفس امارہ) خوفناک اور عبرت خیز بات کہے گا "یہ ہے جو میرے پاس تیار موجود ہے" یعنی "وہ جنس گناہ جسے میں تیار کر کے جہنم کی نذر کرنے کے لئے پیش کر رہا ہوں۔" پھر حکم ہو گا کہ :

القیا فی جھنم کل کفار عنید ○ مناع للخیر معتد مریب ○

"تم دونوں ہر انکار کرنے والے (سرکش) دیدہ و دانستہ حق کے غصب کرنے والے کو دوزخ میں (ڈال دو) خیر سے بہت روکنے والا' حد سے بڑھنے والا اور شک و شبہ میں ڈالنے والا۔

الذی جعل مع اللہ الھا اخر فالقیہ فی العذاب الشدید ○ (ق ۲۴' ۲۵' ۲۶)

جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود قرار دیتا تھا پس تم دونوں اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔

قارئین کرام! آپ نے نمبر۸ میں امت وسط کے بارے میں ہماری معروضات کا مطالعہ فرمایا کہ یہ گروہ الناس کے اعمال و افعال کا گواہ ہے اور الرسولؐ ان پر شہید ہیں۔ یہاں جن دو افراد کو حکم دیا جا رہا ہے۔ کہ کفار عید' مناع للخیر معتد اور مریب کو جہنم میں ڈال دیں اور مشرک کو شدید عذاب میں مبتلا کر دیں وہ یہی دو چشم دید گواہ ہیں۔ جن کا اتباع نہ کرنے کی پاداش میں اس عبرت ناک سزا کی صعوبت برداشت کرنا پڑے گی۲۔

۲۔ شریک ابن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ محمد اعمش کے مرض الموت میں عیادت کو گئے تھے کہ حضرت ابو حنیفہ' ابن ابی لیلیٰ اور ابن شیرویہ بھی آ گئے تو ابو حنیفہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور نصیحتہ" ان سے کہا اے ابو محمد خدا سے ڈرو تمہارے لئے آخرت کا پہلا دن

اور دنیا کا آخری دن ہے اور تم بہت سی حدیثیں علی بن ابی طالب کے بارے میں ایسی بیان کیا کرتے تھے کہ اگر تم سکوت کرتے تو اچھا تھا۔ یہ سن کر اعمش کو غصہ آ گیا۔ کیا مجھ جیسے آدمی کے لئے ایسی بات کہی جا سکتی ہے۔ مجھے ذرا تکیہ لگا کر بٹھا تو دو۔ اس کے بعد کہنے لگے مجھ سے ابو المتوکل نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو مجھ سے اور علی سے کہا جائے گا کہ اپنے دوستوں کو بہشت میں داخل کرو۔ اور اپنے دشمن کو جنہم واصل کرو۔ اور یہی مطلب ہے خدا کے قول **و القیا فی جھنم کل کفار عنید** دیکھئے مسند احمد بن حنبل حضرت ابن عباس سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن نور کا ایک جھنڈا (لواء حمد) بنایا جائے گا اور ایک منادی آواز دے گا "سید المومنین" تو تمام اہل ایمان کھڑے ہو جائیں گے۔ یہ سن کر علی بن ابی طالب اٹھیں گے اور ان کے ہاتھ میں وہ علم دے دیا جائے گا۔ اور اس کے نیچے مہاجرین و انصار میں سے وہ مومنین جو سابقین اولین ہیں سب کے سب جمع ہو جائیں گے اوران میں ان لوگوں کے سوا اور کوئی نہ ہو گا پھر علیؑ نور کے ایک منبر پر بیٹھیں گے اور ایک ایک کرکے سب لوگ ان کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور وہ انہیں جنت کی بشارت دیں گے اور انہیں خود جنت میں لے جا کر داخل کریں گے پھر اپنے منبر پر جلوہ افروز ہوں گے۔ (شواہد التنزیل امام حاکم ابو القاسم حسکانی) علامہ محسن فیض تحریر کرتے ہیں کہ رسولؐ کریم نے علی بن ابی طالب سے فرمایا "اے علیؑ یہ آیت میرے اور تمہارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔" (تفسیر صافی) علامہ سلیمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ لکھتے ہیں کہ **قال اذا کان یوم القیامت وقف محمد و علی علی الصراط و ینادی منادیا یا محمد یا علی القیا فی جھنم کل کفار نبوتک یا محمد و عنید بولایتک یا علی** یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب روز قیامت ہو گا تو حضرت رسولؐ کریم اور علیؑ بن ابی طالب صراط پر ٹھہریں گے اور ایک ندا دینے والا پکارے گا کہ اے محمدؐ و علی تم دونوں منکر نبوت اور ولایت کو جنم میں جھونک دو۔ (ینابیع المودت ب٦ ص٥٨)

آپ نے گذشتہ صفحات میں سورۂ حجرات کی دوسری آیت میں یہ حکم مطالعہ فرمایا کہ نبی کی آواز جو ذکر ہے' سے اپنی آواز کو بلند کرنے سے روکا گیا ہے۔ جبکہ اس سے پہلی آیت میں رسولؐ کے احکام کو نظرانداز کرکے ان پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے میں ممانعت وارد کی گئی ہے۔ اگر ہم حضورؐ کی آواز کو ایک عام بشری صورت میں گمان کرلیں تو اس تنبیہہ قرآنی کی اہمیت ہی فوت ہو جاتی ہے٣۔ کیونکہ

٣۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ ابن زبیر سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بنی تمیم کے کچھ لوگ آئے۔ حضرت ابوبکر بولے کہ ان لوگوں پر قعقاع ابن معبد کو

حاکم بنایا جائے۔ اس رائے کی حضرت عمر نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ٹھیک نہیں اقرع بن حابس کو ان کا امیر بنانا چاہئے۔ اس پر ابوبکر نے احتجاجاً" کہا کہ تم میری مخالفت کرتے ہو! حضرت عمر نے جواباً" کہا کہ میرا مقصد آپ کی مخالفت کرنا نہیں ہے۔ چنانچہ اس امر پر گفتگو ہوتے ہوئے دونوں حضرات کی آوازیں اونچی ہو گئیں چنانچہ اللہ نے (اس شور کو ناپسند کرتے ہوئے) ان کو تنبیہہ کے لئے آیت نازل کی **یا ایھا الذین امنو لا ترفعوا اصواتکم الخ** ملاحظہ کیجئے تفسیر درمنثور جلد ٦ ص ۸۳ مطبوعہ مصر۔

وہ ایک مختصر عرصہ حیات جسمانی سے منسلک ہو کر وقتی و عارضی آواز رہ جائے گی جبکہ نبی کی آواز تو ہر وقت اور ہر زمانے کے لئے ہے۔ جس پر لوگ اپنی غفلت و بے شعوری کے سبب اپنے نفس امارہ کی آواز کو بلند کرکے اپنے اعمال غارت کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رحمت للعالمینؐ کے ہر نفس پر شہید ہونے کے عرفان سے ہی انسان آپؐ کی رحمت سے بقدر شعور فیض یاب ہوتا ہے۔ یہی شعور انسان کو نبی کی آواز پر اپنے نفس کی آواز کو بلند کرنے سے باز رکھتا ہے۔ جو اس کی فلاح کا وسیلہ بنتا ہے۔ چنانچہ اسی شعور کو بیدار رکھنے کی اہمیت کے پیش نظر ہر مسلمان اپنی ہر نماز میں **السلام علیک ایھا النبی** (سلام ہو آپؐ پر اے نبیؐ) کہتا ہے اور لفظ "**ایھا**" روبرو مخاطب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

ویسے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر نفس پر شہید یعنی عینی گواہ ہونا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ حضورؐ سب کے ساتھی اور رفیق ہیں مگر اللہ نے آپؐ کا تعارف لفظ "صاحب" سے بھی کرایا ہے۔ مثلاً

ما ضل صاحبکم و ما غوی (النجم ۲)

تمہارا صاحب نہ ہی بھٹکا ہوا ہے نہ بہکا ہوا ہے۔ (یعنی تمہارا ہمدم رفیق تمہاری رہبری ٹھیک کرتا رہتا ہے۔)

ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ : **اولم یتفکر وا ما بصاحبھم من جنتہ ان ھو الا نذیر مبین** (اعراف ۱۸۴)

کیا لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ان کا صاحب کوئی جنونی تو نہیں ہے۔ وہ تو ایک واضح ڈرانے والا ہے۔

دوسری جگہ پر فرمایا کہ :

(اے رسولؐ) کہہ دے کہ میں تمہیں بس ایک نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے ایک ایک کرکے یا دو دو ہو کر مستعد ہو جاؤ۔ پھر غور کرو تمہارا یہ (مخلص) رفیق کوئی جنونی تو نہیں ہے وہ تو صرف عذاب شدید کے آنے سے پہلے تم لوگوں کو ڈرانے والا ہے۔ (خبردار کرنے والا ہے۔) (سورۂ سبا ۴۶)

ان آیتوں میں ایک طرف اللہ اپنے محبوب کو پہچان لینے کی دعوت فکر دیتا ہے تو دوسری جانب اس "صاحب" کے فرائض و ذمہ داری سے بھی آگاہ کر رہا ہے جو وہ ہردم ہر آن بجا لا رہا ہے۔ ہر نفس کو غور و فکر کی دعوت دیتا رہتا ہے۔ کہ وہ انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر اس کی ہدایت کا جائزہ لیں اور اس کا اتباع کریں کیونکہ نافرمانی کی صورت میں ان کو عذاب شدید کا مزا چکھنا پڑے گا۔ ہر نفس کا یہ ساتھی معاذ اللہ مجنون نہیں ہے بلکہ اس کے اپنے فرائض کی یہ بجا آوری انسان کے فائدے اور بچاؤ کے لئے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

"میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر وہ جو مانگتا ہوں تمہارے ہی فائدے کے لئے ہے۔" (سورۂ سبا ۴۸)

اگر ان لازوال آیات بینات کو کسی ایک وقت یا ایک مقام تک محدود سمجھ لیا جائے تو پھر ان کی اہمیت مفقود ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ دین انسانیت کا دین ہے۔ رسولؐ تمام عالمین کا رفیق و رسولؐ ہے۔ تمام مخلوق کے لئے رحمت ہے۔ جس کی نصیحت و

برکت سے کوئی فرد بھی محروم نہیں خواہ وہ قوم مسرف ہی سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ آپ سورۂ زخرف کی آیت ۵ کا حوالہ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

نفوس کی اس کڑی نگرانی و نگہداشت اور ہدایت کے مکمل انتظام کے باوجود اللہ دین میں جبر کو اختیار کرنا پسند نہیں فرماتا۔ وہ تمام انسانیت کو بلا کسی امتیاز کے رحمت للعالمینؐ کی رحمت سے یکساں طور پر مستفید ہونے کا عادلانہ تقاضا تو ضرور پورا کر دیتا ہے۔ مگر اسے کسی نفس پر داروغہ مقرر نہیں کرتا۔ ارشاد ہے کہ:

"بالتحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز دلائل آ چکے ہیں۔ پس جس نے انہیں دیکھ لیا (بصیرت سے کام لیا) تو اپنے (نفس) کے فائدے کے لئے۔ اور جو اندھا رہا تو اپنے ہی نقصان کے لئے اور میں تم پر کوئی نگہبان تو نہیں ہوں۔" (الانعام ۱۰۴)

آگے فرمان الٰہی ہے کہ:

و ما جعلنک علیھم حفیظاً و ما انت علیھم بوکیل (الانعام ۱۰۷)

اور ہم نے تم کو ان پر کوئی داروغہ تو نہیں بنایا اور نہ ہی تو ان کا وکیل (ذمہ دار) ہے۔

نیز فرمایا ہے کہ "جس نے الرسولؐ کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو کوئی روگردانی کرے تو ہم نے (اے رسولؐ) تجھے ان کا پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے۔" (سورۂ نساء ۷۹)

یا ارشاد ہوا کہ "اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور (سرکشی سے) باز آ جاؤ اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خوب جان لو کہ ہمارے رسولؐ کی ذمہ داری تو صرف کھول کر (پیغام) پہنچا دینا ہی ہے۔ (مائدہ ۹۵)

یعنی معلوم ہوا کہ الرسولؐ کا فرض منصبی محض رسالت کا پہنچا دینا ہے۔ پیغام پر

عمل کروانا ان کی ذمہ داری میں شامل نہیں۔ اب ہر نفس اپنے اندر غور کر کے محسوس کر سکتا ہے کہ الرسولؐ اپنا فرض کتنی مستعدی سے بجا لا رہے ہیں۔

جب کسی کے بارے میں یہ یقین ہو جائے کہ ہر لحظہ فائدہ کرے گا۔ ہر لمحے مفید حکمت عملی عطا کرے گا۔ ہر آن جملہ نقصانات' عواقب اور خطرات سے حفاظت کی ترکیب بتائے گا۔ اس کی ہر بات مان لینے کے بدلے میں منفعت کے سوا کچھ اور مل ہی نہ سکے گا تو فطرتاً" ہر ذی نفس اس کی اطاعت کا جبہ زیب تن کرنے پر آمادہ ہوگا۔ عام مطاع کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کا اقتدار' دائرہ اثر و رسوخ' تزک و احتشام' جاہ و منصب کے پائے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں مگر وہ یہ ضمانت دینے سے عاجز ہوں گے کہ ان کے ہر حکم کی اطاعت انسانی نفس کو مستفید کرے گی۔ لیکن الرسولؐ یب ایسا مطاع ہے جو ہر کس کو محض اپنے اتباع کی شرط پر دونوں جہانوں کی بھلائی عطا کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ اور اتنی وسیع قدرت و علم کا حامل ہوتے ہوئے بھی کہ ہر عمل نفس کا عینی شاہد و سب کا ہمدم و ساتھی ہے کسی لمحہ جبر سے کام نہیں لیتا۔ پس جب عرفان رسولؐ کی سعادت نصیب ہو جائے تو اتباع رسولؐ کا جذبہ ازخود نقطہ عروج پر نظر آنے لگتا ہے۔ **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** (الاحزاب) نبی مومنوں کے لئے ان کے نفسوں پر اولی ہے۔ (نفسوں پر متصرف و حاکم ہے) لہٰذا مطالبہ اطاعت و اتباع اس کا فطری اور منصبی حق ہے۔

کسی کی اطاعت کو قبول کرنے سے پہلے اس مطاع کے مراتب کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ لہٰذا کائنات کی مخلوقات میں سے کسی فرد کو یہ قدرتی مرتبے حاصل نہیں کہ :

اولیت

۱۔ آپؐ مخلوق اول ہیں: چنانچہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث قدسی میں خود فرماتے ہیں کہ **اول ما خلق اللہ نوری** سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

اس حدیث کی تصدیق قرآن مجید سے یوں ہوتی ہے کہ سورۃ الانعام میں اللہ نے فرمایا ہے کہ:

اول المسلمین: قل انی امرت ان اکون اول من اسلمہ و لا تکو نن من المشرکین (الانعام ۱۴)

(اے رسولؐ!) کہہ دے مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ سر تسلیم خم کرنے والوں میں کا میں پہلا ہوں اور یہ بھی کہ مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا۔

اور یہ کہ فرمایا: (اے رسولؐ) کہہ دے کہ میری نماز' میری قربانی میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے اور میں اول المسلمین ہوں۔

اول العابدین: قل ان کان للرحمان و لد فانا اول العابدین ○ (الزخرف ۸۱)

(اے رسول!) کہہ دے اگر رحمان کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلا عبادت کرنے والا تو میں تھا۔

تو معلوم ہوا کہ خلاق عالم کی کل مخلوقات میں سب سے پہلے سر تسلیم خم کرنے والے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ چنانچہ کئی احادیث میں آپؐ نے اپنی زبان وحی بیان میں اس حقیقت کو منکشف فرمایا۔ ارشاد ہے کہ:

اول ما خلق اللہ اللوح سب سے پہلے اللہ نے لوح کو پیدا کیا۔

"لوح" اس تختی کو کہا جاتا ہے جس پر علم نقش کیا جاتا ہے۔ لوح دل محاورہ میں بھی بولا جاتا ہے۔ علم حقیقی دل پر وارد ہو کر نقش ہوتا ہے۔ یہی روشنی و نور کا مرکز ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہر چیز سورج سے روشنی حاصل کرتی ہے اور سورج لوح محفوظ سے روشنی پاتا ہے اور وہ لوح محفوظ ہم ہیں۔

اول ما خلق اللہ القلم سب سے پہلے اللہ نے قلم کو بنایا۔

علم کے نقوش تختی یا کاغذ پر قلم کے ذریعے بنائے جاتے ہیں اور لوح قلب پر علم حقیقی اسی کی نورانی شعاعوں سے وارد ہوتا ہے۔ علم فطرت نفس انسانی میں اسی نور کی شعاعوں سے ڈالا گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اقرا و ربک الاکرم ○ الذی علم بالقلم ○ علم الانسان مالم یعلم (العلق ۵،۴،۳)

پڑھ اور تیرا رب بہت کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ سکھا دیا انسان کو جو وہ نہ جانتا تھا۔

اول ما خلق اللہ العقل (سب سے پہلے اللہ نے عقل کو بنایا)

اسی نور مخلوق کا نام عقل سلیم بھی ہے جو ہر انسان کے ساتھ ہے اور اسے نیکی و بدی میں تمیز کرواتی ہے شر سے بچنے کی ترغیب دیتی ہے اور عقل وہ قوت ہے جس کے ذریعے خالق کی بندگی کی جاتی ہے۔

اول ما خلق اللہ العلم سب سے پہلے اللہ نے علم کو خلق کیا۔

یہی وہ نور علم ہے جس کی شعاعیں جب دل پر پڑتی ہیں تو اس میں شعور بیدار ہو جاتا ہے۔

اول ما خلق اللہ الروح سب سے پہلے اللہ نے روح کو تخلیق کیا۔

یہی وہ روح القدس ہے جس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: **و اید ناہ بروح القد**

میں اور ہم نے روح القدس سے اس کی مدد کی۔ پھر فرمایا۔

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منہ (المجادلہ ۲۲)

وہی تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان کے نقش رقم کئے اور اس نے اپنی روح سے ان کی مدد فرمائی۔

علی ھذا یہ لوح و قلم، علم و عقل اور روح حضور غایت کائنات رسالت ماب خاتم النبین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور پاک ہی کے مختلف نام ہیں۔ جیسا کہ حکیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے اعتراف کیا۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالم الغیب

علمی مرتبہ ایک ایسی فضیلت ہے جو جاہل کو زانوئے تلمذ ٹیکنے پر مجبور کرتا ہے۔ فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات والا صفات کو مدینۃ العلم اور دارالحکمت کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ نبی امی ہوتے ہوئے بھی علیم العالمین ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ :

و نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی (سورۃ النحل ۸۹)

اور ہم نے تم پر (اے رسولؐ) کتاب کو نازل کیا جو ہر شے کی پوری پوری وضاحت کرنے والی ہے۔)

اور سورہ نحل کی ۷۵ آیت میں ہے کہ "کوئی آسمان اور زمین کا ایسا غیب نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔ اب یہ بات ہر طرح کے ابہام سے پاک ہے کہ جس ہستی پر یہ کتاب نازل کی گئی وہ ذات پاک اس کے مطالب و مفاہیم کو کماحقہ

جانتی، سمجھتی تھی یا نہیں؟ اگر کہا جائے گا کہ نہیں تو اعتراض براہ راست خدائے بزرگ پر وارد ہو گا کہ اللہ نے ایسی بات کسی سے کہی جو اسے سمجھ ہی نہیں سکتا اور پھر یہ کہ جب وہ خود ہی نہیں جانتا تو دوسروں کو کیا بتائے گا؟ لیکن یہ مفروضہ کہ اللہ تعالی سے ایسا فعل عبث سرزد ہو امر محال ہے۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ علم کتاب مبین سے صاحب الکتابؑ کماحقہ واقف ہیں۔

بعض لوگ اس قول خدا کو کہ **و عندہ مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو و یعلم ما فی البر و لبحر** (سورہ انعام ۵۹) کہ غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں اسے کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے۔ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ بحر و بر میں ہے۔ استدلال بنا کر پیغمبرؐ کے علم میں تنقیص کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اللہ پر یہ پابندی تو نہیں ہے کہ وہ علم غیب سے کسی کو آگاہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ اسی آیت ہی کا اگلا حصہ ملاحظہ فرمائیں کہ **و لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین** کہ نہ کوئی خشک و تر (کا علم) جو کتاب مبین میں نہ ہو' تو یہ شبہ رفع ہو سکتا ہے کہ صاحب کتاب مبین کو خشک و تر کے پورے علم پر دسترس حاصل ہے۔

علاوہ ازیں پروردگار عالم نے بعض مقامات پر اپنے اختیار کا تذکرہ اس طرح سے کیا ہے کہ

علم الغیب فلا یظهر علی غیبہ احدا ○ الا من ارتضٰی من رسول وہی غیب کا عالم ہے پس وہ اپنے غیب سے کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس شخص کے جس کو وہ رسول منتخب کرے۔

ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک (سورہ یوسف ۱۰۲) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم نے (اے رسولؐ) تجھ پر وحی کی۔

و ما هو علی الغیب بضنین اور وہ (رسولؐ) غیب کی باتیں بتانے میں بخیل

نہیں ہے۔

یہ آیات سرکار رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیب دانی اور لامحدود علم پر دال ہیں۔

ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی برہان قاطع اور نور مبین ہے۔ لہٰذا خاکی کو نوری کی اطاعت کرنا اس لئے بھی تجویز کیا گیا ہے کہ وہ نور برہان قاطع بھی ہے۔ شیطان جیسے سرکش نے بھی بارگاہ الٰہی میں اسی عذر پر آدم علیہ السلام کے سامنے ماتھا ٹیکنے سے انکار کیا تھا کہ اس کے زعم میں آدمؑ خاکی مخلوق تھے اور اس کو نار سے پیدا کیا گیا تھا۔ بہرکیف حضور اکرمؐ ایسی برہان قاطع اور نور مبین ہیں کہ ہر صاحب شعور اس حقیقت کو اپنے من میں ڈوب کر تلاش کر سکتا ہے۔ اس امر کی تائید قرآن مبین کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ نے پوری نوع انسانی کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ:

یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نورا" مبینا○

(النساء۱۷۴)

اے انسانو! بے شک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک محکم دلیل آ چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک ایسے نور کو نازل کیا ہے جو تمہیں واضح دکھائی دیتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ:

"بے شک اللہ نے تم پر ذکر کو نازل کیا جو ایک رسولؐ ہے کہ تم پر اللہ کی کھلی ہوئی آیتیں تلاوت کرتا رہتا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں (گمراہی کی) تاریکیوں سے نکال کر (ہدایت) کے نور کی طرف لے آئے۔" (الطلاق ۱۰،۱۱)

یہ خطاب عام کسی مزید تشریح کا محتاج نہیں ہے۔ ہر صاحب فکر اس ذکر و نصیحت' نور بصیرت الرسولؐ کو جو اسے گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لانے کی سعی کرتا ہے اپنے اندر غور کرنے سے بخوبی محسوس کر سکتا ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزلت سے آگاہی حاصل ہو جانے کے بعد ہر بالغ نظر فطرتاً" آپ کا اتباع کرنے پر رضاکارانہ طور پر تیار ہو جاتا ہے۔ جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند متعال اس ہستی کے بارے میں شہادت دیتا ہے کہ :

و ما ینطق عن الھوی ○ ان ھو الا وحی یوحی (النجم ۳-۴)

اور وہ اپنی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا سوائے اس کے جو اس پر وحی کیا جاتا ہے۔

سبحان اللہ و بحمدہ حضور کا نطق وحی ربانی ہے۔ اپنے کلام کے جس حصے کو آپؐ قرآن فرما دیں وہ قرآن مبین قرار پا جاتا ہے۔ اور اس میں بھی ان کی ھوی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ بموجب فرمان الٰہی ہے۔ خدا کی اس گارنٹی کے بعد بھی اگر یہ گمان کیا جائے کلام کا بعض حصہ قرآن ہے اور بعض نہیں یعنی کچھ وحی ہے اور کچھ وہی تو یہ نظریہ سراسر قرآنی نظریئے سے متصادم ہے۔

یہ تو منزلت کلام ہے۔ خلاق عالم نے تو حرکات و سکنات رسولؐ کو بھی اپنے سے منسوب کیا ہے جیسا کہ فرمایا **وما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی** (الانفال)

(اور تو نے وہ (کنکریاں) نہیں پھینکیں تھیں جبکہ تو نے پھینکیں بلکہ وہ اللہ نے پھینکیں تھیں۔

کبھی ارشاد ہوا: "اے رسولؐ! جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں' ان کے ہاتھ پر تو اللہ کا ہاتھ ہے۔ (الفتح ۱۰)

یعنی سرکار دو عالم کے دست مبارک کو خدائے غیر مجسم نے اپنا ہاتھ فرمایا ہے۔ قربت خالق سے منزلت کا یہ عالم ہے کہ فاصلہ دو کمان سے بھی کم رہ گیا۔ الغرض حضورؐ کی منزلت شان جداگانہ ہے۔ آپ کا فعل اللہ کا عمل ہے۔ آپ کی بات خدا کی وحی ہے۔ تبھی تو اللہ نے فرمایا کہ "ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا" خاکی گنہگار کی کیا ہستی کہ آپؐ کی شان بیان کرنے کا حق ادا کر سکے۔

بحث البشریت

اس قدر جلیل منزلت مناقب اور لاتحصی فضائل کے باوجود یار لوگ آپؐ کو اپنے جیسا بشر خیال کرنے میں خدا کا خوف نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ ہم جیسے بشر ہیں تو پھر خدا نے ان کے اتباع و اطاعت کا مطلق حکم صادر فرما کر غیر فطری جبر کا اظہار کیا ہے۔ (معاذ اللہ) کیونکہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ اور خاطی کو خطاکار اپنے لئے مطاع تجویز نہیں کرے گا۔ لیکن اگر یہ اصرار کیا جائے کہ قرآن مجید میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ: **قل انما بشر مثلکم یوحی الی** کہہ دو کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں (مگر) مجھ پر وحی کی گئی۔

تو میں کہوں گا ساری دنیا یہ کہتی ہے کہ "انسان حیوان ناطق ہے" لہٰذا کیا کوئی اس ضد کو مان لے گا کہ تمام انسان حیوان ہیں۔ ہرگز نہیں۔ پس جتنا فرق انسان اور حیوان میں ہے اتنا ہی فرق نبی اور عام انسان میں ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ جتنا فرق نبی اور عام انسان میں ہے اتنا ہی فرق نبی اور سید الانبیاء میں ہے۔ منطقی قاعدے کی رو سے کسی شے کی تعریف کے دو جزو ہوتے ہیں۔ پہلا (Genus) عمومی اور دوسرا (Differentia) امتیازی۔ پہلے میں اس خاص چیز کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں شامل ہوتی ہیں اور دوسرے میں مخصوص امتیازی چیز کا ذکر ہوتا ہے۔ جو اس کو دوسری اشیاء

سے منفرد و ممیز کرتی ہے۔ چنانچہ اسی قاعدے کے مطابق جب انسان کو حیوان ناطق کہا جاتا ہے تو اس تعریف میں پہلے عمومی نوع حیوان (جس میں انسان دوسرے بہت سارے حیوانوں کے ہمراہ بوجہ اشتراک متعدد امور میں شامل ہے) کا ذکر ہے۔ اس کے بعد انسان کی مخصوص صفت "قدرت کلام" کا ذکر ہے جو انسان کا جملہ حیوانات سے مابہ الامتیاز ہے۔

پس جس طرح تعریف مذکورہ کے مطابق انسان کو محض حیوان سمجھ لینا درست نہیں بلکہ اس کی معرفت کے لئے اس کی صفت مخصوص "قوت گویائی" کو ملحوظ خاطر رکھنا لازمی ہے اور اسے نظرانداز کر کے بنی آدم کو کتے' بلیوں' بندروں کی صف میں کھڑا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح صرف آیہ منقولہ بالا کے الفاظ کی روشنی میں نبی کو ایک عام بشر سمجھ لینا ٹھیک نہیں ہے۔

آیت کے مطابق نبی کی تعریف یوں ہوتی ہے کہ "نبی ایک بشر ہے جس پر وحی ہوتی ہے" اب منطقی طور پر نبی کو صرف بشر سمجھ لینا درست ہو گا؟ جبکہ اس کا جزو ثانی "حامل وحی ہونا" قطعی طور پر نظرانداز کیا جا رہا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر نبی کی تعریف کے جزو دوم (Differentia) کو پس پشت ڈال کر کوئی نظریہ رکھتا ہے کہ نبی اس کی طرح کا ایک بشر ہے تو پھر وہ بتائے کہ کیا وہ مثل نبی صاحب وحی ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہو تو وہ پاگل ہے اور اگر نفی میں ہے تو اس کا یہ سمجھنا کہ نبی اس کی طرح عام بشر ہے' مبنی بر عقل نہیں ہے۔ اور اس کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عدم معرفت کی دلیل ہے۔

انسان کو قدرت نے حواس خمسہ عطا کئے ہیں۔ جن پر اس کے مبلغ علم کا دارومدار ہے۔ ان پانچ حسوں کے علاوہ انسان کو کسی اور حس کا شعور نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے جس حس کا شعور نہیں اس سے متعلق علم کا فہم انسان میں آنا ممکن نہیں۔

مثلاً ایک مادر زاد نابینا کو رنگوں میں فرق کا شعور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ قوت باصرہ سے محروم ہے۔ بالفرض اگر تمام انسان اس باصرہ حس سے محروم ہوتے تو کیا کسی انسان کو نیلے' پیلے' کالے' سفید کا شعور ہوتا؟ نہیں ہوتا۔

بلاشبہ حواس خمسہ کے علاوہ بھی حواس ہیں مگر مشاہدے کے مطابق انسان ان سے محروم ہے۔ مثلاً مشہور ہے کہ جب کوئی شدید زلزلہ آنے والا ہوتا ہے تو کتے بھونکنے لگتے ہیں۔ پرندے پھڑپھڑانے لگتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتوں اور پرندوں میں کوئی ایسی حس موجود ہے جس سے ان کو آنے والی آفت کا قبل از وقت شعور ہوتا ہے۔ ہم کارخانہ قدرت میں روز مرہ کے مشاہدات میں یہ باتیں نظارہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً آپ نے دیکھا ہو گا کہ بارش ہونے سے قبل چیونٹیاں چھپ جاتی ہیں جبکہ انسان کو بظاہر بارش کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ یہ بات تو ہے حیوانات کی۔

بعض انسانوں میں بھی کسی چھٹی حس کا ذکر سننے میں آتا ہے۔ جس کے ذریعے ایسے لوگوں کو کچھ باتوں کا شعور ہو جاتا ہے جو عام انسان کو نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات ہمارے علم میں نہیں ہے کہ ایک صاحب وحی ہستی کو ان عام حواس خمسہ کے علاوہ خداوند تعالیٰ نے اور کتنے حواس عطا کئے ہیں اور ان کی طاقت کیا ہے۔ جو شعور وحی کے لئے ضروری ہے۔

وسیلہ

ایک بڑی مشہور حدیث قدسی میں مقصد تخلیق انسان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ارشاد ہے کہ :

کنت کنزا مخفیا۔ احببت ان اعرف فخلقتک یا محمد

میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ پس میں نے اے

محمدؐ تجھے خلق کیا۔

وہ خدا کہ جس کی حقیقت بلند ہمتوں کے ادراک سے ماورا ہے۔ جس تک فکر کی گہرائیاں پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اس تک براہ راست رابطہ امکانی نہیں۔ لہٰذا اس نے اپنی معرفت کا وسیلہ پیدا کیا۔ اور انسانوں کو حکم دیا کہ اس کی طرف وسیلہ تلاش کریں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ :

یا ایھا الذین امنوا التقوا اللہ و ابتغوا الیہ و سیلتہ و جاھد وا فی سبیلہ لعلکم تفلحون (سورۃ المائدہ ۳۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ہم گزشتہ صفحات میں عرض کر چکے ہیں کہ ایمان حب اللہ ہے اور حب اللہ اطاعت رسولؐ ہے۔ تو پھر یہ امر محتاج تشریح نہیں کہ اس کی طرف وسیلہ "الرسول" ہی ہیں۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ خدا نے اپنی طرف غیر اللہ کے وسیلے کی تلاش کا حکم کیوں دیا؟ اس کا اصلی جواب تو حاکم مطلق ہی جانتا ہے تاہم عقل سے یہ بات چھپی نہیں ہے کہ ذات باری انسانی فہم و ادراک سے کہیں بلند و برتر ہے۔ لہٰذا بلا واسطہ اس کی معرفت بعید از قیاس ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ خود خدا نے قادر مطلق ہوتے ہوئے بھی کسی انسان سے براہ راست رابطہ نہ کیا سوائے اپنے منتخب بندوں کے۔

پس جس کسی نے اپنے مقصد حیات کو پہچان لیا اور اس کے دل میں حصول مقصد کی طلب پیدا ہوئی تو اس کے لئے واجب قرار پایا کہ فلاح کے وسیلے کو پہچانے۔ اس وسیلے کی تلاش کے لئے طالب کو کسی دشت و صحرا کی خاک چھاننے کی احتیاج نہیں وہ وسیلہ تو اپنی تمام رحمتوں کو لئے ہوئے ہر دم صاحب طلب کے ساتھ اس کی دستگیری کے لئے موجود ہے۔

اللہ تعالی سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس وسیلہ (رحمت للعالمین) کو پہچانیں اور اس کی اطاعت کر کے معرفت الہی حاصل کریں اور فلاح پائیں۔ کیونکہ وہ لوگ:

"الرسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں۔ جسے وہ اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں توراۃ اور انجیل میں (بھی)۔ جو ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے روکتا ہے۔ اور ان پر طیب اشیاء حلال کرتا ہے اور خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق جو ان پر پڑے ہوئے ہیں' اتارتا ہے۔ پس وہ جو اس پر ایمان لاتے ہیں اس کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہی تو ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔" (اعراف ۱۵۷) ؎

اب تک ساری گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ اتباع رسولؐ کا بدلہ محبت الہی ہے۔ اور عدم اتباع احباط اعمال اور غضب الہی کا موجب ہے۔ جب ہم تاریخ اسلام

؎ اس آیت کا جملہ **و اتبعو النور الذی انزل معہ** خصوصی توجہ کا طلبگار ہے۔ یعنی "اور وہ اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اس (رسول) کے ساتھ اتارا گیا ہے۔" یہ الفاظ اس حقیقت کی وضاحت کر رہے ہیں کہ وہ نور جو اس پر اتارا نہیں گیا ہے بلکہ وہ اس کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ ہر اس صاحب ایمان کو جسے رسولؐ اللہ کے عظیم مقصد اور ہمہ گیر واسطے سے الحاق کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اسے روشنی بخشتا ہے۔ آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد نفس رسول اللہ امام المتقین علی بن ابی طالب اور آئمہؑ حق ہیں۔ (تفسیر صافی ۱۷۲)

حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول وہ رونق ہے جس سے خدا کی پیدا کردہ تقریباً تمام چیزوں کو خوشی نصیب ہو گی۔ کیونکہ وہ فہم اور نصیحت' حکمت اور طاقت' خشیت اور محبت' حزم اور ورع کی روح سے آراستہ ہے۔ وہ فیاضی اور رحمت' عدل اور تقویٰ' شرافت اور صبر کی روح سے مزین ہے۔ جو اس نے خدا سے ان تمام چیزوں کی بہ نسبت تین گنا پائی ہے۔ جنہیں خدا نے اپنی مخلوق میں سے یہ روح بخشی ہے۔ کیسا مبارک وقت ہو گا جب وہ دنیا میں آئے گا۔ یقین جانو میں نے اس کو دیکھا ہے۔ اور اس کی تعظیم کی ہے۔ جس طرح ہر نبی نے اسے دیکھا ہے۔ اس کی روح کو دیکھتے ہی خدا نے اسے نبوت دی۔ اور جب میں نے اس کو دیکھا تو میری روح سکینت سے بھر گئی۔ یہ کہتے ہوئے کہ اے محمدؐ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ اور مجھے تمہاری جوتی کا تسمہ باندھنے کے قابل بنا دے۔ کیونکہ یہ مرتبہ بھی پا لوں تو میں ایک بڑا نبی اور خدا کی مقدس (ح) ہستی ہو جاؤں گا۔" (انجیل۔ برناباس باب ۴۴)

میں مشاہیر اسلام کی سوانح حیات پر سرسری نظر ڈالتے ہیں تو ایسا محسوس کرتے ہیں کہ بعض برگزیدہ افراد نے اپنے رسولؐ مقبول کا اتباع اس انداز سے کیا ہے کہ مطاع و مطیع میں پہچان کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مکہ کے وہ باریک بین کفار جو کسی گھوڑے کے صرف سم کا نشان دیکھ کر اس کی منزل ابتدا و انتہا سفر اور نسل و قسم تک معلوم کر لیتے تھے۔ شب ہجرت ساری رات مطیع رسول علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو بستر رسولؐ پر لیٹے ہوئے یہی سمجھا کئے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو رہے ہیں۔ اس کے برعکس تاریخ میں ان افراد کے کردار بھی مرقوم ہیں جو دعویدار ایمان رہے شرف صحبت بھی پایا۔ مگر بابہ اطاعت میں ان کے قدم ڈگمگاتے رہے۔ میدان جہاد میں بے ثباتی، نبوت میں شکوک، شرک خفی، کردار پیغمبر پر شبہات اور رسالت سے عدم معرفت کی ان گنت مثالیں دستیاب ہیں۔ دراصل حیثیت رسولؐ کے معیار کو معین کرنے میں عہد نبویؐ ہی میں غیر محتاط نظریات نے جنم لینا شروع کر دیا تھا اور جس رسولؐ کی اطاعت مطلق اور اتباع کلی کو اللہ نے اپنی محبت کا واحد ذریعہ قرار دیا تھا کوتاہ نظروں نے اپنی خودساختہ تاویلات اور من گھڑت تشریحات سے معنوی اعتبار سے اس میں تحریف کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور یہ تحریف بلکہ تفریق ہی دراصل اختلاف امت کی اصل جڑ ہے جسے بعد میں لوگوں نے "اختلاف امتی رحمت" کے قول سے مشہور کرکے اپنا الو سیدھا کیا اور ملت میں ایسا انتشار پیدا کر دیا جس کا سدباب انسانی بساط سے باہر نظر آنے لگا ہے۔ زیر مطالعہ تصنیف میں ہماری خواہش ہے کہ "محمد رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جن کی اطاعت اور فرمانبرداری کا خلاق عالم نے پرزور مطالبہ کیا ہے کا مقام اور مرتبہ شناخت کرنے کی کوشش کریں کیونکہ حضورؐ کی معرفت کا دعویٰ بہت بڑی بات ہو گی جبکہ کمترین کا منہ چھوٹا ہے۔ جیسا کہ اکثر مسلمان اپنے نبی کو عام بشر سمجھتے ہیں یا حیات نبوی کو دو حصوں

میں بانٹ لیتے ہیں کہ نبوی حصہ جو واجب الاتباع ہے۔ اور غیر نبوی حصہ جو واجب الاطاعت نہیں۔ لیکن یہ نظریات یکسر باطل ہیں۔ کیونکہ خلاف قرآن ہیں۔ ہمارا مختار یہ ہے کہ چونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں۔ لہٰذا ان کا اتباع کلی واجب ہے۔ اس لئے ہم نور کی بحث پر کچھ گفتگو کرنے کی اجازت چاہتے ہیں اور علامہ ہروی اعلی اللہ مقامہ کے مواعظ سے استفادہ کرتے ہیں۔

نور

قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آ چکی ہے۔

تعریف دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو قابل بیان ہوتی ہے اور دوسری حیطہ بیان سے باہر اور ناقابل بیان ہوتی ہے۔ مشاہدہ ہے کہ ہر مخلوق متحرک ہے۔ یعنی ہر شے میں حرکت پائی جاتی ہے۔ جمادات' نباتات' حیوانات' ستارے' سیارے' انسان ہر چیز میں ایک قدرتی حرکت موجود ہے۔ حرکت کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک طبعی (فطری) دوسری قسری (جبری) حرکت طبعی مائل بہ ترقی ہوتی ہے اور مائل بہ تنزل نہیں جیسے پتھر کہ ترقی کرکے زمین سے ہزاروں فٹ اونچا ہو جاتا ہے۔ درخت کہ کئی گز اونچے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح کئی چیزیں ہیں کہ نیچی سے اونچی ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی امر مسلمہ ہے کہ حرکت کا سبب حرارت ہوتا ہے۔ جب حرارت نہ ہو تو حرکت بھی نہ ہو گی۔ اس سبب حرکت "حرارت" کو آج کی سائنس نے الیکٹرسٹی یعنی برق یا بجلی کا نام دیا ہے۔

جس طرح مختلف زبانوں اور علوم میں مخصوص اصطلاحیں رائج ہوتی ہیں اور ایک ہی شے کے مختلف نام ہوتے ہیں مثلاً ماء (عربی) آب (فارسی) پانی (اردو)۔ یعنی ایک چیز پانی کے مختلف زبانوں میں مختلف نام ہونے کی وجہ سے اس کی حقیقت میں

کوئی فرق نہیں آتا۔ چنانچہ Electricity کو عربی زبان میں "برق" کہتے ہیں۔ مگر قرآن مجید میں اس کی حقیقت واقعہ کو "نور" کہا گیا ہے اور اصطلاح میں اسے "ملکوت" فرمایا ہے۔

اللہ نور السموات و الارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح الصباح فی زجاجتہ الزجاجتہ کانھا کوکب دری یو قد من شجرۃ مبارکتہ زیتونتہ لا شرقیتہ و لا غربیتہ یکاد ذیتھا یضئی و لو لم یمسہ نار نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء و یضرب اللہ الامثال للناس و اللہ بکل شئی علیم

یعنی اللہ ہی آسمان اور زمین کا نور ہے (علت العلل ہے) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قندیل ہو جس میں کہ ایک چراغ ہو۔ وہ چراغ شیشے کے ایک فانوس میں ہو (اور) وہ فانوس اس طرح (جگمگاتا) ہو جیسے ایک چمکدار ستارہ (جو کہ) ایک مبارک زیتونی شجرے روشن ہوتا ہے۔ جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے حالانکہ آگ نے اسے چھوا بھی نہ ہو۔ نور بالائے نور' اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

(سورۂ نور ۳۵) **(بیدہ ملکوت کل شئی و الیہ ترجعون)**

معلوم ہوا کہ ہر شے مجسم و مجرم کو حرکت اور نشوونما دینے والی چیز یہی "نور" اور "ملکوت" ہے جسے ہم بجلی کہتے ہیں۔ "ہر شے کی حرکت طبعی اپنے مرکز کی جانب ہوتی ہے" یہ سائنسی قانون ہے۔ نیز یہ کہ اگر حرکت طبعی کے ساتھ حرکت قسری شریک ہو جائے تو اس میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ کسی پتھر کو ایک پہاڑ کی بلند چوٹی پر کھڑا ہو کر انسان کئی فٹ اونچا پھینک سکتا ہے حالانکہ اس مقام پر پتھر نے اپنی طبعی حالت کو ختم کر لیا ہے اور یہ مسلمہ بات بدیہات میں سے ہے کہ جس شے میں برقی

طاقت اپنے ماتحت اجسام و اجرام سے زیادہ ہو گی وہ شے اپنے ماتحتوں کا مرکز ہو گی۔ اب چونکہ انسان جمادات' نباتات اور حیوانات کا مجموعہ ہے لہٰذا اس میں جملہ انواع مخلوق سے برقی قوت زیادہ ہے۔ مزید یہ کہ مدافعت اور جاذبیت کا مدار بھی برقی طاقت پر ہوتا ہے۔ یعنی جتنی کسی چیز میں برقی قوت ہو گی اسی قدر اس شے میں قوت جذب و طاقت دفع ہو گی۔ پس اس قوت جذب اور طاقت مدافعت کے لحاظ سے وہ چیز تمام ماتحت اشیاء کی مسخرو حاکم یعنی مجمع اور مرکز ہو گی۔ اب چونکہ انسان میں دیگر انواع کی نسبت سے زیادہ برقی قوت ہے اس لئے انسان جملہ جمادات' نباتات اور حیوانات کا مرکز ہے۔ اور چونکہ انسان سمیت ہر شے کی حرکت عالم بالا کی طرف ہے جہاں کہ سب انواع کا مرکز ہے اور انسان کے علاوہ کسی دوسری نوع کی ترقی طولانی عالم علوی تک نہیں پہنچ سکتی کیونکہ یہ سب براہ راست' بلا وسیلہ نور الانوار مبداء الدھور تک رسائی پانے سے قاصر ہیں۔ اس لئے ان کی ترقی طولانی نہیں ہو گی بلکہ عرضی رہے گی اور وہ اس قدر محدود کہ یہ سب اپنے مرکز تک جو کہ انسان ہے' ہی پہنچ سکیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ پتھر عرضی ترقی کرتے کرتے یاقوت' زمرد یا الماس ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو اس درجہ تک پہنچا کر انسان تک پہنچتا ہے۔ جو اس کا مرکز ہے یا یہ کہ جب جوہر ارضی حرکت کرتے کرتے سونا ہو جاتا ہے تو اب انسان خودبخود اس کو اپنے پاس کھینچ لاتا ہے اور اس کے سکے یا زیور بنا کر زیر استعمال لاتا ہے۔ اسی طرح درخت ترقی کرتے کرتے کسی مزیدار پھل کی شکل اختیار کرنے لگتا ہے پس انسان ان کو اپنی غذا بنا لیتا ہے۔ پس وہ اس ترکیب سے اپنے مرکز کی جانب پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے کہ :

و خلق لکم ما فی الارض جمیعا" یعنی اے نوع انسانی! ہم نے جو کچھ زمین میں از قسم جمادات' نباتات اور حیوانات خلق کیا ہے سب تمہارے فائدے کے لئے

ہیں اور ان تمام انواع مخلوقات کا مرکز اور مجمع تم کو بنایا ہے۔

لیکن انسان اور انسان میں بھی فرق ہے۔ ایک انسان تو وہ ہے کہ جسے آگ تک سلگانا نہیں آتا۔ مگر ایک وہ ہیں کہ دوسری چیزوں سے قوت برقیہ لے کر اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔ یعنی ایسے آلات و ادویات تیار کرتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے ایک جسم کی برقی طاقت کو دوسرے جسم میں منتقل کر دیتے ہیں۔ بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ مگر باری تعالی نے تو ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ لہٰذا بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ بغیر کسی آلے اور دوا کے وسیلے سے برقی طاقت کو دوسرے جسم میں داخل کرنے پر دسترس رکھتے ہیں۔ اور یہ بندگان الٰہی انبیاء مرسلین اور اوصیاء کرام علیہم السلام ہیں کہ بغیر کسی دوسرے جسم سے قوت برقیہ حاصل کئے خود اپنے پاس سے دوسرے جسموں میں برقی لہریں دوڑاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں پر اپنا دست مسیحائی رکھ کر قم باذن اللہ فرماتے ہیں۔ پس وہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ اندھوں کو بینا کر دیتے ہیں۔ پس ان خاصان خدا بزرگوں کی قوت برقیہ یقیناً تمام نوع انسان کی قوت برقیہ سے زیادہ ہے اور وہ اپنے پاس سے دوسروں کو یہ طاقت عطا کرتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نوع بشری کا مرکز قوت نبی و وحی ہیں۔ پس بنی آدم حرکت کی بدولت اپنے نبی یا امام تک پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ یہی اس کا مرکز و منبع ہے۔

اسی طرح نبی نبی اور رسول رسول میں بھی فرق ہے۔ بعض نبی اور رسول ایسے ہیں کہ ان کی نورانیت دیگر انبیاء اور رسولوں کی نسبت زیادہ ہے۔ جیسا کہ فرمان ہے کہ **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض منھم** پس جس نبی کی نورانیت کل انبیاء مرسلین سے زیادہ ہو گی وہی سب کی حرکت اور ترقی کی غایت اور منتہا ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ ذات والی صفات سید الانبیاء اور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔

واضح ہو کہ یہ نورانیت اور قوت برقیہ صرف عالم سفلی ارضی ہی کے اجسام و موجودات میں منحصر نہیں ہے بلکہ عالم بالا و اعلیٰ کے اجرام و ہیاکل میں بھی موجود ہے۔ بلکہ عالم علوی کی موجودات میں یہ قوت برقیہ و ملکوتیہ عالم سفلی کے اجسام سے بہت زیادہ ہے۔ ایک سورج میں نورانیت و قوت برقیہ اس قدر ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں کو اس سے روشنی حاصل ہوتی ہے چنانچہ اسی نور اور برقیت کے باعث اس میں قوت جذب و دفع بھی سب سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی تحقیق کے مطابق آفتاب ہی زمین کو اپنی قوت کے ذریعے سے حرکت دے رہا ہے۔

بہرحال جس طرح اس دنیا کے موجودات اس برقی طاقت کے باعث جو ان میں موجود ہے' سب کے سب عالم بالا کی طرف حرکت میں مصروف ہیں اسی طرح موجودات عالم بالا بھی علو کی طرف کہ جہاں ان کا مرکز ہے حرکت کرتی ہوئی جا رہی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ قوت برقیہ جو تمام قوائے برقیہ نورانیہ کا منبع و مرکز ہے کیا ہے؟ جس کی طرف کائنات کے جملہ موجودات حرکت کرتے ہوئے رواں دواں ہیں۔ پس وہی مبداء نور ہے جو خود ارشاد فرماتا ہے کہ **اللہ نور السموت و الارض** یعنی اللہ ہے روشن کرنے والا اور قوت برقیہ دینے والا آسمانوں اور زمین کو۔ پس تمام موجودات ارضی و سماوی ترقی کرکے اللہ کی طرف جانا چاہتی ہیں۔

اگر یہ خیال کیا جائے کہ کیا تمام متحرک اشیاء عالم زیریں و بالا حرکت کرتے کرتے ذات واجب الوجود سے جا ملیں گی تو یہ خام خیالی ہوگی۔ کیونکہ یہ امر محال ہے کہ ممکن کی رسائی ذات واجب الوجود تک ہو سکے۔ اس لئے کہ وہ منتہائے تجرد میں ہے اور یہ سب منتہائے ترکیب میں ہیں۔ وہ قدیم ہے یہ حادث ہیں۔ دونوں آپس میں متضاد ہیں اور اجتماع ضدین محال ہے۔ مگر پھر یہ ساری ممکن الوجود اشیاء کہاں

پہنچیں گی؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے سلسلہ نزولی مخلوقات کی جانب متوجہ ہونا چاہئے کہ تمام ممکنات سلسلہ صعودی میں کہاں تک رسائی پا سکتے ہیں۔ یہ سب صرف وہاں تک ہی پہنچ سکتے ہیں جہاں ان کا مرکز ہے۔ اس سے آگے بال برابر بھی نہیں بڑھ سکتے۔ مجمع ممکنات سدرۃ المنتہی ہے کہ جس مقام پر جبرئیل جیسا مقرب فرشتہ بھی پکار اٹھتا ہے کہ اگر سر مو بھی آگے ہوا تو جل جاؤں گا۔ ممکنات کا سلسلہ نزولی یہ ہے جیسا آپ نے گزشتہ اوراق میں مطالعہ فرمایا کہ باری تعالی نے سب سے پہلے ایک نور کو خلق فرمایا جو تمام انوار کا مصدر و مرکز قرار پایا۔ تمام ممکن الوجود چیزوں کو اسی نور سے نورانیت اور قوت برقیہ عطا ہوئی۔ پھر اس نور سے ایک طین خلق فرمائی گئی۔ اور اس طین سے متعدد طینتیں بنائی گئیں۔ ہر طین سے انواع و اقسام کے اجسام و اجرام خلق فرمائے اور جب ان اجسام و اجرام اور ہیاکل و صور کے قوالب بن کر تیار ہو گئے تو پھر ان میں اسی نور اول کی شعاعوں کو جاری و ساری فرمایا۔ جس طرح سے ایک شہر میں پہلے بجلی گھر بنایا جاتا ہے جو ایک برقی خزانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر ہر سڑک اور بازار پر کھمبے و پول نصب کرکے بلب لگا دیئے جاتے ہیں۔ پس جب یہ سب انتظام مکمل کر لیا جاتا ہے تو ایک مرتبہ اس خزانے برقیہ سے بقدر ضرورت بجلی چھوڑی جاتی ہے جس سے تمام بتیاں روشن ہو جاتی ہیں۔ پس اسی طرح بلا شبہ تمام عوالم مخلوق علوی و سفلی کے اجسام اور ہیاکل نوعیہ میں ضرورت کے مطابق خلاق عالمین نے اس خزانہ برقیہ اور نورانیہ سے شعاعیں داخل فرمائیں جس سے تمام کائنات میں حرکت آئی اور روشنی پھیلی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا :

مثل نوره كمشكوة فيها مصباح المصباح فى زجاجته الزجاجته كانها كوكب درى يو قد من شجرة مباركته زيتونته لا شرقيه و لا غربيه يكاد زيتها يعنى و لو لم تمسه نار نور على نور

یعنی نور خدا کی مثال جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وجود مبارک کی اصل حقیقت ہے' اس مشکوۃ جیسی ہے جس میں مصباح ہے جو ایسے شیشے کے اندر ہے جو کوکب دری کی مانند روشن ہے جو زیتونیہ سے روشن کیا جاتا ہے جو شجرہ مبارکہ جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ بلکہ لامکانی لاہوتی ہے جس کا روغن بغیر جلائے روشنی دیتا ہے۔ پس حضورؐ کا جسم مبارک بھی نورانی ہے اور روح بھی نور ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ **اول ما خلق اللہ نوری ففتق نوری فخلق منہ السموات و الارضین و انا و اللہ اجل من السموات و الارضین** یعنی سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو بنایا' پھر اس کو شگافتہ کیا جس سے تمام آسمان اور زمینیں پیدا ہوئیں اور میں خدا کی قسم آسمانوں اور زمینوں کی غایت ہوں۔

انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول خدا نے ایک روز نماز فجر ادا فرمائی۔ پھر محراب مسجد سے بدر کامل کی مانند جلوہ افروز ہوئے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ پسند فرمائیں تو ہمیں آیہ مبارکہ **اولئک مع الذین ۔ الخ** کی تفسیر سے آگاہ فرمائیں۔ آپؐ نے آیت موصوفہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا لیکن انبیاءؑ تو مثلاً میں اور صدیقین تو جیسے علیؑ ابن ابی طالب اور شہداء جیسے میرے چچا حمزہ اور صالحین تو جیسے فاطمہؑ اور حسنینؑ ہیں۔ یہ سن کر عباس (بن عبدالمطلب) کھڑے ہو گئے اور کہا اے اللہ کے رسول! کیا ہم سب ایک چشمہ سے نہیں ہیں؟ آپؐ نے استفسار فرمایا کہ پھر آپ اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہیں۔ عباس نے عرض کیا۔ تو حضورؐ نے جب ان (علیؑ' فاطمہؑ' حسنؑ' حسینؑ) کا ذکر فرمایا تو میرا ذکر نہیں کیا تو جب ان کا شرف بیان کیا تو میرا شرف بیان نہیں کیا۔ اللہ کے رسول نے فرمایا اے چچا! آپ کا یہ کہنا کہ ہم سب ایک ہی چشمہ سے ہیں' صحیح ہے لیکن اللہ نے ہم کو اس وقت خلق فرمایا جب نہ آسمان بنا تھا اور نہ زمین بچھی تھی۔ نہ عرش تھا نہ ہی جنت و نار۔ (اس وقت) ہم اس

(اللہ) کی تسبیح کرتے تھے جب کوئی تسبیح کرنے والا نہ تھا۔ ہم اس کی تقدیس کرتے تھے جب کوئی اور تقدیس کرنے والا نہ تھا۔ پس جب اللہ تعالی نے اپنی صنعت کو ظاہر فرمانا چاہا تو میرے نور کو چیرا اور اس سے عرش کو خلق فرمایا۔ پس نور عرش میرے نور سے ہے۔ اور میرا نور خدا کے نور سے اور میں عرش سے افضل ہوں پھر علیؑ کے نور کو شق کیا تو اس سے ملائکہ کو خلق فرمایا پس فرشتوں کا نور علی کے نور سے ہے اور نور علیؑ نور خدا۔ پس علیؑ تمام ملائکہ سے افضل ہے۔ پھر میری لخت جگر فاطمہؑ کے نور کو شق کیا تو اس سے زمین و آسمان خلق فرمائے پس نور ارض و سما نور فاطمیؑ سے ہے اور نور فاطمہؑ نور اللہ۔ لہٰذا فاطمہ زمین و آسمان سے افضل ہے۔ پھر نور حسنؑ کو شگافتہ کیا تو اس سے شمس و قمر بنائے پس نور آفتاب و ماہتاب نور حسنؑ سے ہے اور نور حسنؑ نور اللہ۔ پھر نور حسینؑ کو چیرا تو جنت اور حورعین کو بنایا۔ پس نور جنت و حورعین نور حسینؑ سے ہیں اور نور حسینؑ نور خدا ہے۔ اور حسینؑ جنت و حورعین سے افضل ہے۔ پھر اللہ نے اپنی قدرت سے ظلمت (اجزاء مادیہ) کو خلق فرمایا اور اس کو بادلوں کی صورت میں سب کو دکھلا دیا تو فرشتوں نے کہا تو پاک و پاکیزہ ہے ہمارے پروردگار۔ جب سے ہم نے ان انوار اور اشباح نور کو پہچانا ہے کبھی برائی (ناگواری) نہیں دیکھی۔ اب تجھے ان ہی کی حرمت کا واسطہ کہ تو اس تاریکی کی بلا کو ہم سے کھول اور دفع کر۔ اس وقت اللہ تعالی نے اس نور سے قندیل رحمت خلق فرمائے اور ان کو عرش سے معلق فرمایا تو فرشتوں نے کہا اے ہمارے معبود! یہ فضیلت کس کے لئے ہے اور یہ انوار کن وجودوں کے ہیں۔ فرمایا یہ میری کنیز خاص فاطمہؑ زہرا کا نور ہے اور اس کو اس واسطے زہراؑ کہا گیا ہے کہ اس کے نور سے زمین و آسمان روشن ہوئے ہیں۔ وہ میرے نبی کی بیٹی ہے اور اس کے وصی اور میری حجت علیؑ کی زوجہ ہے۔ اے فرشتو! میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے تمہاری تسبیح و تقدیس کا

ثواب قیامت تک کے لئے اس معظمہ بی بی اور اس کے (پیروکار) شیعوں کے لئے لکھ دیا ہے۔ (پس) اس وقت جناب عباسؓ (عم رسول اللہ) اٹھے اور علیؑ کے پاس آئے اور ان کی پیشانی کو چوم لیا۔ (بحار الانوار)

اب چونکہ علوی و سفلی دنیا میں موجود ہر شے کو نور اور قوت برقیہ اسی نور اقدم اور باعث ایجاد غایت العالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نور حاصل ہوتا ہے اس لئے سب کے سب اپنے اسی مرکز کی طرف خودبخود جانا چاہتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کو قوت قاہرۂ خداوندی نے اجرام و ہیاکل اجسام میں اس طرح باندھ رکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی یا اختیار سے خود وہاں تک نہیں پہنچ سکتے الا یہ کہ جب وقت مختوم ان کا آ جاتا ہے تو بقدرت پروردگار ان کے قوالب اور ہیاکل خراب و فاسد ہو جاتے ہیں۔ پس وہ نور اور قوت برقیہ اپنے فاسد فانوس سے نکل کر اسی اپنے مجمع اور مرکز سے جا ملتی ہے جس طرح سے جب کوئی بجلی کی تار خراب ہو جاتی ہے تو اس میں رواں برقی قوت واپس ہو کر اپنے خزانے یا اسٹیشن سے جا ملتی ہے۔ علی ھذا تمام چیزیں اپنے مرکز کی طرف درجہ بدرجہ حرکت کر رہی ہیں۔ جمادات نباتات کی طرف' نباتات حیوانات کی طرف اور یہ تمام انسان کی طرف۔ انسان نبیوںؑ اور رسولوںؑ کی جانب اور نبی رسولؑ اس نور الانوار النبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جو کل عالمین کا مرکز ہے۔ اسی طرح زمین اپنے آفتاب کی طرف سورج چاند اور تمام دوسرے سیارے مع جملہ نظام ہائے شمسی و قمری کے اسی مرکز نور مخزن نور مجمع البرق کی طرف جو ان سب کا مصدر ہے حرکت کر رہے ہیں۔

باوجودیکہ سورج زمین سے کئی گنا بڑا ہے۔ اور اس کی نورانیت اور قوت برقیہ بہت تیز اور زیادہ ہے لیکن پھر بھی وہ ایک چھوٹے سے انڈے کے اندھیرے کو دور نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ آپ نے مشاہدہ کیا ہو گا کہ اگر انڈے کو دھوپ میں زمین پر

رکھ دیا جائے تو اس کا سایہ زمین پر پڑے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج بذات خود مجمع قوت برقیہ اور مرکز نور نہیں ہے۔ اگر سورج خود مرکز نور ہوتا تو یقیناً جس شے پر روشنی ڈالتا وہ نور مجسم ہو جاتی۔ ہر ممکن الوجود شے کا جسم اور نور ہوتا ہے۔ ہر ممکن کا نور اس کے جسم پر زائد ہے۔ یعنی نور عین جسم نہیں۔ اسی وجہ سے ہر ممکن شے کا جسم اس کے نور سے علیحدہ دیکھا جاتا ہے۔ جیسے سورج کہ اس کا جسم کروی شکل کا ہے اور اس کا نور تمام اطراف میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن جو مجمع قوت برقیہ اور مرکز انوار ہے اس کا نور عین جسم اور جسم عین نور ہے یعنی نور علی نور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غایت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کا سایہ ہی نہ تھا۔ جیسا کہ کتب میں مرقوم ہے۔

مورخین و مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ جب محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دھوپ میں باہر تشریف لے جاتے تھے تو ہر وقت حضورؐ کے سر اقدس پر ابر رحمت سایہ فگن ہوتا تھا۔ بعض مغربی معترضین نے نکتہ اٹھایا ہے کہ جب آپ جنابؐ دھوپ میں باہر نکلتے تھے تو آپ پر بادل کا ٹکڑا سایہ کئے رہتا تھا پس سایہ کیونکر ہوتا۔ سایہ تو تب ہوتا جب ابر دھوپ کے وقت ان کے سر سے ٹل جاتا اور آفتاب کی دھوپ ان پر پڑتی لہٰذا سایہ بھی نمایاں ہو جاتا۔

مگر بعض علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ ہر وقت آپ کے سر مبارک پر ابر سایہ نہیں کئے رہتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا کفار مکہ مثل ابوجہل وغیرہ یہ محیر العقول بات دیکھ کر ایمان لے آتے۔ ان کے نزدیک اصلیت اس سایہ کی یہ ہے کہ جس شے میں قوت برقیہ اور حرارت ہوتی ہے وہ اس شے کی برودت (ٹھنڈک) اور حرارت کو سرد و منجمد کر دیتی ہے جس میں کم درجہ کی حرارت ہوتی ہے۔ جیسا کہ عام مشاہدہ ہے کہ موسم سرما میں سانس کی ہوا جو گرم ہوتی ہے جب منہ سے خارج ہوتی ہے تو پاس کی سرد

ہوا منجمد ہو کر دھویں یا بادل کی شکل میں نمایاں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس وقت جسم میں ہوا کی نسبت زیادہ قوت برقیہ موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ نور قدیم جو کہ مبداء الانوار ہے اور اس میں تمام مخلوق موجودات سفلی و علوی سے قوت برقیہ نورانیہ زیادہ ہے جب کبھی دھوپ میں باہر تشریف لے جاتے ہیں اور سورج اپنی حدت اور تمازت دکھاتا ہے تو اس وقت آپؐ بھی اپنی نورانیت کے آثار ظاہر فرما دیتے ہیں۔ پس حضورؐ کے نور کی کثرت اور وحدت سے نور آفتاب ماند ہو جاتا تھا۔

چنانچہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ "اس نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر اور رات و دن کو بھی تمہارا ماتحت بنایا۔ اس میں تمہارے لئے کی ضمیر "لکم" کل بنی نوع انسان کے لئے نہیں ہے کیونکہ تسخیر کے لئے دو امور کا ہونا لازمی ہے۔ اگر ان میں ان کا کوئی ایک بھی نہ ہو تو تسخیر حاصل نہ ہو گی۔ اول "اعطا" دوم "حکم" یعنی مسخر شے (ماتحت) کو مسخر (افسر) اپنے پاس سے کچھ عطا کرے اور پھر اس پر حکومت بھی رکھتا ہو۔ تاکہ ان دونوں باتوں کی وجہ سے جس وقت اس کو کوئی حکم دے فوراً بجا لائے۔ ہمارے ملازم اسی وقت تک ہمارے ماتحت رہتے ہیں جب تک ہم ان کو کچھ دیتے رہتے ہیں اور ہمارا حکم ان پر ہوتا ہے ورنہ بصورت دیگر وہ ہرگز مسخر و فرمانبردار نہیں رہتے۔ پس اس عالم ہست و بود میں کوئی ایسی شخصیت ہے جو سورج و چاند اور آسمان و زمین کو اپنے پاس سے کچھ عطا کرتا ہو؟ اور یہ کہ ان پر اس کی حکومت ہو؟ بدیہی امر ہے کہ متسخر مسخر کو صرف اشارہ کر دیتا ہے پس وہ بلا توقف اس کی اطاعت کرتا ہے جیسا کہ اپنے ملازمین کو بسا اوقات پکار کر کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی محض اشارے پر ہی کام کرتے ہیں پس آفتاب و ماہتاب اس کی اطاعت کرتا ہے جیسا کہ ارباب جدید کا خیال ہے تو سردیوں کے موسم میں ہم کیوں سورج کی دھوپ کا انتظار کرتے ہیں اور گرمیوں میں اس بات کے منتظر کیوں رہتے ہیں کہ اس

کی حدت میں کمی واقع ہو۔ مگر کوئی تو ایسا ضرور ہے جس کے لئے سورج لوٹایا گیا پھر افق سے نزدیک ہوا اور اگر وہ اس کو ٹھہرا دیتا تو غروب نہ ہوتا۔ بات وہی ہے کہ انسان انسان میں بھی فرق ہے۔

انسان انسان میں فرق

انسان کی حقیقت میں فی الحقیقت فرق ہے۔ ایک انسان طبعی ہے۔ ایک انسان نفسی ہے۔ ایک انسان عقلی ہے۔ انسان طبعی ہماری ظاہری صورتیں چہرہ مہرہ ہے۔ انسان نفسی صورت نفسانی ہے۔ اور انسان عقلی روحانی عقلانی بعبارت اخریٰ ہے۔

انسان طبعی یہی بشری جامہ ہے کہ اس کے ہر کام کے لئے علیحدہ علیحدہ اعضاء ہوتے ہیں۔ مثلاً سننے کے لئے کان' سونگھنے کے لئے ناک' چلنے کے لئے پاؤں اور انسان طبعی اپنے ایک عضو سے دوسرے عضو کا کام نہیں لے سکتا۔ مثلاً دیکھنے کا کام کانوں سے نہیں لیا جا سکتا۔ پس انسان طبعی کے ہاتھ پاؤں' آنکھ' ناک' کان ہر اعضاء جدا جدا اور ایک دوسرے سے متمیز و ممتاز ہیں۔

اس کے برعکس انسان نفسی کے اعضاء و جوارح ہوتے ہیں لیکن ان میں تمائز وضعی نہیں ہوتا۔ آپ نے خواب میں کبھی ضرور دیکھا ہو گا کہ آپ یک لخت ہزاروں میل دور جا پہنچے ہیں اور دنیا کے کئی عجائبات دیکھ کر آئے ہیں۔ کھاتے ہیں' ہنستے ہیں' سنتے ہیں' دیکھتے ہیں' حالانکہ اپنے بستر پر پڑے ہیں اور آپ کی آنکھیں بند ہیں اور آپ کا ہر عضو بدن بے حس ہے۔ تو پھر آخر یہ کون ہے جو ہزاروں میل کی سیر کر آتا ہے۔ اور بغیر جسمانی آنکھ کے دنیا کے عجائب و غرائب کا تماشہ دیکھتا ہے۔ یہ وہی انسان نفسی ہے۔

اس سے بڑھ کر انسان عقلی ہے کہ جس کے اعضاء اور جوارح میں امتیاز ہی

نہیں ہوتا وہ نور مجرد ہوتا ہے۔ پس اس کا ہر شے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے دوری اور نزدیکی برابر ہوتی ہیں۔ وہ سب پر محیط ہوتا ہے۔ پس وہ ایک نور سے دیکھتا ہے، سنتا ہے، سونگھتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، چلتا ہے، پھرتا ہے، وہی نور اس کا سر ہوتا ہے پیر ہوتا ہے ہاتھ ہوتے ہیں آنکھ ہوتا ہے کان ہوتا ہے ناک ہوتی ہے، غرضکہ اس کے تمام اعضاء اسی نور کے ہوتے ہیں اور وہ نور علی نور ہوتا ہے۔

بعض انسان صرف انسان طبیعی کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ کچھ انسان نفسی کا اور چند انسان عقلی کا جو کہ انسان کامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب صحابہ حضور اکرمؐ کے پیچھے حالت نماز میں حضرتؐ سے پہلے رکوع میں چلے جاتے تو آپؐ ان کو ہدایت فرماتے کہ "مجھ سے پہلے رکوع میں پہل نہ کرو کیونکہ میں پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے۔" پس آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود انسانی عقل ہے اور کامل انسان اور انسان کامل مجمع اور مرکز ہے۔ تمام انوار عالم علوی و سفلی کا اسی واسطے اس کے ہر ہر بال اور ناخن میں کل عوالم کی قوت برقیہ نورانیہ موجود ہے۔ لہٰذا وہ ہر وقت مکنونات و موجودات دنیائے علوی و سفلی کو دیکھتا رہتا ہے۔ ان کی آوازوں کو سنتا ہے اسے دیکھنے اور سننے سے کوئی شے مانع نہیں اسے ساری کائنات کے ساتھ مشترک و مساوی نسبت ہے۔ کوئی شے اس سے دور نہیں وہ سب پر محیط ہے، اسی لئے اللہ محیط المحیط نے اسی کو کامل عالمین نورانیہ و ظلمانیہ علویہ و سفلیہ کا نذیر و بشیر بنایا ہے۔

اس نورانیت اور برقیت کا اثر صرف آپؐ کے اپنے جسم تک محدود و محصور نہیں بلکہ جو شے بھی اس منبع نور سے مس ہو جائے اس میں نورانیت آ جاتی ہے۔ جس طرح کہ جو شے آگ میں پڑ جائے وہ بھی آگ کی خاصیت پیدا کر دیتی ہے۔ مثلاً لوہا آگ میں پڑ کر آگ ہو جاتا ہے البتہ ظرف کا لحاظ قائم رہے گا۔ پس جو شے آپؐ

سے مس ہو جائے نورانی ہو جائے۔ تبھی تو کنکریاں ہاتھ پر کلمہ پڑھنے لگی تھیں۔ پھر غور کریں کہ جس طرح سایہ سید المرسلینؐ دھوپ میں نہیں پڑتا تھا اسی طرح آپ کے لباس کا سایہ بھی نہ ہوتا تھا کیونکہ وہ بھی نور محض ہو جاتا تھا۔

ہماری محدود سمجھ کے مطابق کائنات کی ہر چیز کا منتہائے ترقی اور ممکنہ حد آخر سدرۃ المنتہی تک ہے کہ سید الملائکہ جبرئیل امین علیہ السلام وہاں سے ایک بال برابر آگے نہ جا سکے مگر شب معراج براق سوار کے پائے پاک سے مس ہو کر اونٹ کے چمڑے کا نعلین شریف کی شکل میں کہاں پہنچ گیا۔ مقام قاب قوسین اور ادنیٰ تک چلا گیا۔ کیونکہ وہ بھی قرب و اتصال نور سے خاصیت نور پیدا کر چکا تھا بلکہ نور محض ہو گیا تھا اور نور مطلق سے متصل تھا۔

بعض تفاسیر میں سدرۃ المنتہی کو ایک بیری کے درخت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات کچھ دل کو نہیں لگتی۔ کیونکہ اللہ نے ایک حقیقت روحانیہ کو افہام و تفہیم کے لئے مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ **مثل کلمہ طیبہ کشجرۃ طیبہ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء** ہمارے نزدیک سدرۃ المنتہی اس مقام کا نام ہے جہاں اس خزانہ برقیہ نوریہ ملکوت کل شئی کو مثل ایک بڑے درخت کی شاخوں کے اطراف کائنات و عوالم امکانیہ میں پھیلایا ہے۔ یعنی اس نور سرمدی حقیقت احمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اشیاء عوالم کے حقائق و ملکوت کو جدا کیا ہے۔ پس وہ حد امکان ہے اور اس کے اوپر مقام واجب الوجود ہے۔ پس جبرئیل جو ایک ممکن شے ہے کس طرح اپنی حد سے نکل کر حد واجب الوجود میں داخل ہو سکتا تھا۔ یہ ممکن نہیں اس کے لئے محال تھا لیکن چونکہ اس اونٹ کے چمڑے نے اس نور سرمدی سے اتصال پیدا کر لیا تھا جو حجاب اور پردہ ہے درمیان امکان اور وجوب کے اس لئے وہ بھی حد واجب میں پہنچ گیا۔ یعنی مبداء الانوار سید

المختار اور اس قدر واجب الوجود کہ قریب پہنچا کہ کمان امکان اور کمان وجوب کے آپس میں ملنے سے ایک دائرہ کی شکل نمایاں ہوئی اور دونوں امکانوں اور وجوب کے وتروں کے مابین جو ایک موہومی فاصلہ تھا وہ بھی معدوم ہو گیا۔

معراج جسمانی

واقعہ معراج النبیؐ میں ہے کہ حضورؐ نے جبرئیلؑ کو دوسری مرتبہ حالت نزولی میں سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا۔ یہاں سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ نزولی حالت میں آپؐ نے امین وحی کو کیسے دیکھا جبکہ نورانیت اور ملکوتیت کے نور جلال کبریائی بھی تاباں و درخشاں تھا۔ پس اس نور الانوار نے اس حالت نورانیت میں اپنے جسم بشری سے کل موجودات ممکنہ کے حقائق کو یوں دیکھا کہ ان کی چشم جسمانی کو خیرگی تک لاحق نہ ہوئی اور کوئی ذرہ ممکنات کا فراموش نہ ہوا۔ ہر ہر کو علیحدہ علیحدہ ملاحظہ فرمایا۔ چنانچہ رب الکریم نے **مازاغ البصر و ما طغی** فرما کر اس نظریہ کے حامل افراد کی تردید کر دی جن کا خیال ہے کہ معراج جسمانی نہیں روحانی ہوا ہے۔ کیونکہ لفظ "بصر" جسمانی آنکھ کے لئے مخصوص ہے۔ بہرحال حضورؐ کا نور ایسا ہے کہ اس کے سامنے تمام انوار بے حقیقت ہیں۔ آپؐ کا نور وہ نور ہے جو بذات خود تو روشن اور منور ہے ہی وہ دوسروں کو بھی اپنے نور سے روشن اور منور کرتا ہے۔

حضورؐ کو عالمین کے لئے "نذیر" بنایا گیا۔ مگر انذار کے لئے دو باتیں لازمی ہوتی ہیں۔ اول علم احاطی اور دوم حکومت و تصرف۔ اگر منذر کو یہ دونوں باتیں حاصل نہیں تو وہ انذار نہ کر سکے گا پس آپؐ عوالم کا بشیر و نذیر ہونے کے باعث کل مخلوقات علوی و سفلی کا علم احاطی رکھتے ہیں اور ان سب پر حکومت کلی کا اختیار رکھتے ہیں۔ آپ پر فرقان نازل فرمائی گئی جو ایسی کتاب ہے جس میں کل موجوداتِ روحانی نفسانی

کے جملہ حالات ان کی کیفیات و حقائق سب موجود ہیں۔

تورات مقدس کے متعلق فرمایا گیا **فیھا ھدی و نور** یعنی توریت خود نور نہیں بلکہ اس میں نور و ہدایت ہے کیونکہ وہ بصورت لفظی مکتوبی نازل ہوئی ہے۔ اور اصل نور وجود حقیقی ہوتا ہے جو علم ہے نہ کہ صورت مکتوبی و ملفوظی۔

مقام ختم میں ارشاد ہوا **یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا** کیونکہ قرآن مجید بصورت حقیقیہ نازل ہوا ہے نہ کہ لفظیہ **لقد نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین** قاعدہ ہے کہ ہر شے اپنے مرکز کو قریب دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب غایت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت با سعادت ہوئی تو تمام اشیاء عوالم روشن و منور ہو گئیں جیسا کہ روایات میں ہے کہ شہر مکہ سے شام کے مکانات نظر آنے لگے کیونکہ اس نور مطلق نے تمام تاریکیوں کو اپنی نورانی شعاعوں سے برطرف کر دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مجمع الانوار نے عالم ظلمانی میں ظہور فرمایا ہے۔

رہی یہ بات کہ پھر کیوں آپؐ کے نور جمال سے تمام دنیا کی موجودات روشن نہ ہو گئیں حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ ہر فرد مخلوقات عالم سفلی کا ظاہر و باطن اس نور سے منور ہو جاتا جبکہ ایسا نہ ہوا۔ پس اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی خلاق عالم کو یہ بات منظور نہ تھی کیونکہ ابھی کل افراد کائنات میں مطلوبہ استعداد و قابلیت تامہ پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس کے لئے اور وقت ہے ابھی غلبہ اور اظہار نور کا وقت نہیں آیا۔ البتہ انتظار ہے کہ وہ دن آنے والا ہے۔ جب حضورؐ کے نور سے تمام عالمِ سفلی منور ہو جائے گا۔ تاریکیاں چھٹ جائیں گی۔

نبوت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طولانی ترقی ختم ہو چکی ہے۔ لیکن اس کی عرضی ترقی باقی ہے۔ چنانچہ مناصب امامت و خلافت میں یہ بات یاد رکھی جائی

چاہئے کہ احکامات انذاریہ مکمل طور پر آ چکے ہیں۔ اس لئے اب کسی اور نئے حکم شریعت کے آنے کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ پس اب کسی خلیفہ' امام' وصی اور حقیقی جانشین پیغمبرؐ پر کوئی جدید وحی بابت احکامات شریعت آنے کا امکان نہیں رہا۔ البتہ حرف زدہ احکامات اور اوامر و نواہی جو کہ سید المرسلین' نذیر العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کئے جا چکے ہیں ان کی تعمیل و تنفید ہو گی۔ پس خلیفہ رسولؐ رب العالمین کو **کل ما جاء بہ النبی** کا علم احاطی ہونا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ یہ کام جاہل کے بس کا نہیں۔ دوسری بات یہ کہ تمام افراد پر اس کو تصرف کلی اور فوقیت و فضیلت حاصل ہونی چاہئے تاکہ **تفضیل مفضول** لازم نہ آسکے جو عقلی قباحت ہے۔ پس نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو باعث ایجاد عالمین ہے کہ اتمام کو اللہ نے ان کے آخری خلیفہ مہدی الزمان علیہ السلام پر موقوف رکھا ہے۔

اظہار دین

جس قدر دلائل و براہین صداقت اسلام کے لئے ضروری تھے وہ سب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کر دیئے۔ لیکن اسلام کی تصدیق کرنے والوں کی تعداد پھر بھی کم رہی ہے۔ پس اب اظہار اور غلبہ اسلام کے لئے دلیل و برہان کا وقت گذر چکا ہے۔ اور عنقریب یہ گھڑیاں آنے کو ہیں کہ **و قاتلو ھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ** اسلام دشمن دن رات اس کوشش میں ہمہ تن مصروف ہیں کہ نور محمدیؐ کو بجھا دیں مگر اللہ اپنے نور کو ضرور پورا کرنے والا ہے چاہے کافر اس کو جتنا مرضی ناپسند کریں۔ چنانچہ اس نور کی شعاع سے کل عالم سفلی عالم نورانی ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ چاند و سورج کی روشنی کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ **و اشرقت الارض بنور ربھا** چنانچہ اس دن دین اسلام کے سوا تمام مذاہب و ازم معدوم ہو

جائیں گے۔ وہ دن اسلام کے اظہار کا ہو گا۔ غلبے کا دن نہیں ہو گا۔ کیونکہ غلبہ اور اظہار میں فرق ہے۔ غلبے کی صورت میں مغلوب کا وجود باقی رہتا ہے۔ جبکہ اظہار کی صورت میں مغلوب نابود و معدوم ہو جاتا ہے۔ جس طرح ظہور آفتاب سے تاریکی شب معدوم ہو جاتی ہے۔

پس یہ صورت زمانہ ظہور مہدیؑ میں ہو گی جن کے وجود سے ظہور دین اسلام ہو گا۔ واضح ہو کہ مہدیؑ کا جزو نور محمدؐ ہونا ضروری و لازمی ہے ورنہ قرآن کے معارض ہو گا۔ پس اس نور نبیؐ کے ہاتھوں سے اس نور اور خزانہ برقیہ کا اظہار ہو گا جس کو اللہ نے ابھی روک رکھا ہے اور آیہ مبارکہ **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ** کی تعبیر باقی ہے۔ اس آیت کے بارے میں حضورؐ سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسولؐ یہ اظہار کب ہو گا۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس وقت ہو گا جب ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ **قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانھم ولا ھم ینظرون**

چنانچہ یہی نور نبیؐ اس عالم زیریں کو اپنے نور سے منور کرتا ہوا آسمان میں تشریف لے جائے گا اور عالم بالا کو اپنے نور سے روشن کرکے عالم حیات مطلق بنا دے گا۔ پس فرش زمین سے لے کر عرش بریں تک ایک عالم ملکوت ہو جائے گا۔

"نور" ہی اصل وجود ہے اور ظلمت اصل عدم ہے۔ پس ہر موجود میں ایک نور موجود ہے۔ جب یہ نور جدا ہوتا ہے شکل مادی فنا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مدار حیات اور ذریعہ ترقی درجات یہی نور ہے۔

خلقت کائنات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالی نے دو طرح کے عالم خلق فرمائے ہیں۔ ایک عالم خلقی ہے جس کی ترقی تدریجی ہے۔ دوسرا عالم امری ہے جس کی ترقی فوری ہے۔ "عالم خلقی" مواد سے متعلق ہے۔ اور "عالم امری" نور

سے۔ چنانچہ عالم خلقی کی مثال ہے۔ "اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔" اسی طرح انسان کی خلقت کا بیان ہے اور اس کے تدریجی مراحل بتائے گئے ہیں۔ مگر چونکہ عالم امری کی ترقی فوری ہوتی ہے لہٰذا فرمایا "بے شک جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔"

اہل فلسفہ نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ترقیات طولانی مادے سے متعلق ہیں۔ عالم عقول میں ترقی طولی کی استعداد نہیں۔ مغربی فلاسفر پہلے اس بات کے قائل نہیں تھے کہ مادے کے علاوہ بھی کوئی عالم ہے لیکن اب وہ مان گئے ہیں کہ عالم مجردات میں بھی ایک عالم ہے۔ بہرکیف حکماء کے نزدیک موجودات مادیہ میں انسان ترقی کا منتہی ہے۔ اول صورت سدیمیہ پھر جماد پھر نبات پھر حیوان اور اس کے بعد انسان کا درجہ ہے جو انتہائے ترقی مواد ہے۔ لیکن مذہبی دنیا فرشتوں اور جنوں کا وجود بھی تسلیم کرتی ہے۔ لہٰذا اہل دین ہونے کی حیثیت سے ہمیں معلوم ہونا چاہئے جن و ملک و انسان میں سے کون سی مخلوق سب سے زیادہ ترقی کر سکتی ہے۔ چنانچہ ہمارے نظریہ کے مطابق انسان ہی ان تمام انواع مخلوقات میں سب سے زیادہ ترقی کر سکتا ہے۔ کیونکہ فرشتے عالم امری سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کی ترقی بالفعل ہے بالقوت نہیں۔ جتنی ترقی ان کو ملنا تھی وہ سب وقت خلقت ہی ان کو مل چکی کیونکہ ان کی خلقت بتدریج نہیں ہوئی بلکہ فوری ہو گئی۔ چنانچہ خود ان کا قول **ما منا الا لہ مقام معلوم** اس بات کی دلیل ہے کہ ان سب کے خاص خاص ترقی کے درجے اور مقام ہیں۔

پھر مشاہدہ ہے کہ صرف روح بغیر مادے کے کچھ ترقی نہیں کر سکتی کیونکہ روح نور ہے اور نور گھٹتا بڑھتا نہیں ہر حالت میں یکساں رہتا ہے۔ البتہ یہی نور جب کسی

قالب مادی میں ہوتا ہے تو اس وقت ترقی کرتا ہے۔ مثلاً جو نور کسی درخت کے بیج میں ہوتا ہے وہ ترقی کرکے ایک بڑا تناور درخت بن جاتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ بیج ایک سخت اور درشت شے ہے اس لئے اس کی ترقی محدود ہے۔ نطفہ انسان نرم اور لطیف ہے اس لئے اس کی ترقی وسیع ہے۔ اور جو نور پتھر میں ہوتا ہے وہ ترقی کرکے لعل و یاقوت ہو جاتا ہے۔ فرشتے چونکہ مادے سے مجرد ہیں اس لئے ان کی ترقی محدود ہے۔ جبکہ نوع بشری مادے میں محصور ہے اس لئے اس کی ترقی کشادہ ہے۔

فرشتوں کو خدا نے صرف روحانی قوت عطا کی ہے۔ اور انسان روحانی و جسمانی طاقتوں کا مجموعہ ہے۔ جو کچھ اللہ نے دیگر مخلوقات کو فرداً" عطا فرمایا ہے ان تمام کمالات کا مجموعہ انسان کو بنایا ہے۔ انسان طبیعی' انسان نفسی اور انسان عقلی کا اجمالی بیان پہلے گذر چکا ہے۔

بعض انسان اس عالم مواد میں بھی ایسے ہیں کہ ان کو عالم عقلانی میں پہنچنے کے لئے عالم مادی اور عالم نفسی کے طے کرنے کی ضرورت نہیں۔ براہ راست عالم عقلی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ خاصان خدا انبیاء و اوصیاء علیہم الصلواۃ و السلام ہیں۔ چنانچہ ان ہی ذوات کو اللہ نے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور کل فرشتوں اور دیگر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔ اب خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس کا خلیفہ بنے اس کے اوصاف کا مظہر ہو۔ **مستخلف عنہ** (جس کا خلیفہ ہے) اگر خدا ہے تو اس کا امر ہے کہ **الا لہ الخلق و الامر** یعنی عالم خلقی اور عالم امری سب کا متصرف اور مدبر ہے۔ پس خلفائے الہٰی سے بھی حسب ضرورت جملہ اوصاف ظاہر ہوں گے جیسا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ **انی اخلق لکم من الطین کھیئتہ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا" باذن اللہ** چونکہ خلفا برحق مثل آدم و نوح موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام صرف عالم مواد پر خلیفہ تھے اس لئے ان کا تصرف مادے پر تھا اور عالم ارواح جو کہ امری دنیا ہے

ان کے زیر تصرف نہ تھا' لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا (میں پرندے کی شکل خلق کر سکتا ہوں نہ کہ پرندہ' اس کے بعد اس روح سے جو اللہ نے مجھ میں پھونکی ہے پھونکتا ہوں پس وہ اللہ کے اذن سے زندہ پرندہ ہو جاتا ہے) چنانچہ نوع بشری ہونے کی حیثیت سے ہر شخص اس صفت میں خلیفہ فی الارض ہے اور اس میں مومن و مشرک کی تفریق نہیں۔ جیسا کہ ایجادات دور حاضرہ کی مثالیں موجود ہیں۔ مگر یہ مادی تصرف اس بات کا ہرگز ثبوت نہیں ہے کہ تمام خلیفے برابر و یکساں درجے پر فائز ہیں۔ غیر نبی اور عام بشر صرف شکل و صورت بنانے پر تو ضرور قادر ہے مگر وہ اس میں نور حیات پیدا کرنے میں مطلق عاجز رہا ہے۔ جبکہ خاصان خدا بحکم خدا اس شکل کو زندہ بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی مثال درج کی ہے اور دربار متوکل میں امام علی نقی علیہ السلام کا شیر قالین کو شیر حقیقی بنا دینا ایک مشہور واقعہ ہے۔

ابو البشر آدم علیہ السلام کو اللہ نے بشر بنایا "بشر" اسے کہتے ہیں جس کا بشرہ (صورت) اور جسم مرئی (دکھائی دینے والا) اور مشاہد ہو۔ چنانچہ اللہ نے ایک ایسے شخص کی تخلیق فرمائی جس کا جسم عالم مادیت سے تھا۔ جو سب کو نظر آتا تھا۔ یعنی یہ ایک قالب تھا۔ جسے سجدہ کرانا منظور نہ تھا چنانچہ اس قالب مادی میں روح امری نوری کو داخل کیا گیا اور پھر فرشتوں کو سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا۔ پس خلافت جو آدمؑ کو نصیب ہوئی اسی روح نبوتی کی بدولت تھی۔

نکتہ غور طلب یہ ہے کہ اس مقام پر اللہ نے کہا ہے **نفخت فیہ من روحی** یعنی اپنی روح کا ایک حصہ بعض پھونکا گیا۔ اور اس بعض روح کے باعث خلافت فی الارض ان کو عطا کی گئی۔ یعنی عالم مادی و عنصری پر نائب خدا مقرر ہوئے نہ کہ عالم امری اور روحی پر کیونکہ ان عالموں کے لئے وہ بعض ناکافی تھا۔ بعینہ حضرت عیسیٰ کے لئے ارشاد ہوا۔ **کلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ** یعنی عیسیٰ اللہ کی بعض روح تھے

نہ کل۔ اسی لئے پرندوں میں روح داخل کرنے کے لئے ان کو اللہ کی ضرورت تھی۔ بغیر اذن اللہ کے پرندہ نہیں بنا سکتے تھے کیونکہ عالم امری اور روحانی پر پورا تسلط اور تصرف حاصل نہ تھا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو کل نو معجزے دیئے گئے کیونکہ ان کو بھی روح کا بعض ہی عطا کیا گیا تھا۔

مگر مقام ختم الرسل میں ارشاد ہوا کہ :

و کذالک اوحینا الیک روحا" من امرنا ما کنت تدری ما الکتب و لا الایمان و لکن جعلنہ نورا" نھدی بہ من تشاء من عبادنا و انک لتھدی الی صراط مستقیم صراط اللہ الذی لہ ما فی السموات و مافی الارض الا الی اللہ تصیر الامور ○ (شوریٰ ۵۳'۵۲)

اور یوں ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے روح کی وحی کی۔ تجھے معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس (روح) کو نور قرار دیا۔ جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور بے شک تو صراط مستقیم کی جانب ہدایت کرتا ہے۔ اس اللہ کی راہ (کی طرف) جو (مالک) ہے ان سب (چیزوں) کا جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور واضح رہے کہ تمام امور کی بازگشت اللہ کی طرف ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ :

رفیع الدرجات ذو العرش یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق (المومن ۱۵)

وہ (اللہ) بلند درجوں والا صاحب عرش ہے (اور) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے الروح القاء کرتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن کا انذار کرے۔

پس چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ باعث ایجاد ہیں' کے لئے

روح کی تبعیض نہیں ہے بلکہ آپ روح کائنات ہیں اس لئے حضورؐ کو عوالم امری و مادی و عنصری پر پورا تصرف حاصل ہے۔ وہ رحمت للعالمین ہیں۔ سب جہانوں کے لئے نذیر ہیں۔ لہٰذا اسی روح کلی کی وجہ سے کل عوالم نفس اور صورت روح اور ملکوت پر نذیر اور مظہر ہیں۔ آپ کا دست مبارک ساری کائنات پر مبسوط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ ان کے کاموں کو اپنے کام کہتا ہے اور ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیتا ہے۔ اب چونکہ وہ مظہر کل ہیں لہٰذا واجب التعظیم بھی ہیں اور اللہ آپؐ کے دست حق پرست کو قلم قدرت کی قسم کھا کر بایں الفاظ یاد کرتا ہے کہ :

ن و القلم و ما یسطرون ○ ما انت بنعمتہ ربک بمجنون ن قسم ہے القلم کی اور اس کی جو کچھ وہ لکھتے رہتے ہیں، کہ تو اپنے رب کے انعام سے مجنون نہیں۔۵۔

الغرض اللہ نے آپؐ کی خلقت عالم امری میں فرمائی ہے لیکن مادی دنیا میں ان کو بشر بنا کر انسانی نشوونما دی گئی تاکہ جب وہ تبلیغ احکام خدا شروع کریں تو بسبب اجنبیت ظاہری عوام اجنبیت محسوس کرتے ہوئے آپ سے گریز یا نفرت نہ کریں بلکہ مانوس رہیں۔ قریب رہ کر آپؐ کی باتوں کو غور سے سنیں کیونکہ اگر یکایک ان کی خلقت نوری کی تکمیل ہو جاتی اور ظاہری صورت عالم خلقی والی نہ دی جاتی تو بنی نوع انسان ان سے فیض نہ پا سکتے۔

سنت الٰہی یہ رہی ہے کہ خدا کبھی اس شخص کی اطاعت کلی اپنی مخلوق پر واجب نہیں کرتا جو عالم امری میں سے نہ ہو۔ کیونکہ مادہ ایک ظلمانی چیز ہے پس جو شے مادی

۵۔ واقعہ قرطاس کے وقت جن لوگوں نے پیغمبرؐ کو ہذیان سے متہم فرمایا۔ رب علیم ان کی پرزور نفی فرما رہا ہے اور آگے فرماتا ہے۔ (اے حبیبؐ) یقیناً تیرے لئے بے انتہا اجر ہے اور بے شک تو خلق عظیم پر فائز ہے اور عنقریب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے فاتر العقل کون ہے۔ بے شک تیرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی واقف ہے۔

ہے اس میں ظلمت و فساد کا احتمال ضرور ہے۔ خدا کا الرسول کی اطاعت کو مخلوق واجب گردانتا اس امر کی دلیل ہے آپ کی نوری خلقت عالم امری سے ہے۔

مگر المیہ عظیم یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت نے اپنے رسول کی شخصیت معظمہ کو کبھی صحیح طور پر نہ سمجھا۔ شاید اس لئے کہ انہوں نے تمسک بالثقلین والی تاکید سے عموما" اعراض کیا اور کتاب اللہ کو زبانی طور پر کافی سمجھتے ہوئے وارثان کتاب جو کہ صحیح تاویل قرآن سے واقف ہیں' ان سے دور رہے اس لئے حقیقی علم قرآن سے محروم رہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے قرآن اور صاحب قرآن دونوں کو غیر مسلموں کے اعتراضات کی بھینٹ چڑھا دیا چنانچہ نامسلموں نے ان مسلمانوں کے مواد ہی سے ماخوذ ایسا رسوا کن لٹریچر شائع کیا کہ خود مسلمان انگشت بدنداں پریشان ہو گئے اور سوچنے لگے کہ کیا یہ تصویریں ہمارے ہی البم سے مسروقہ ہیں۔ لوگوں نے اپنے نبی کو اپنی طرح حرص و لالچ اور حب و جاہ و مال میں گرفتار سمجھا۔ یہاں تک جسارت کر بیٹھے کہ حضورؐ خدا کی مرضی کے خلاف اپنے داماد کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے اور حکومت کو اپنے خاندان ہی میں رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے عصمت نبی کے عقیدہ کو قابل توجہ نہ سمجھا۔ بلکہ کتابوں میں انبیاءؑ سے مختلف قسم کے گناہ منسوب کر دیئے یہاں تک کہ فقہ میں نبوت کے لئے شرط عصمت کی ضرورت کو بھی محسوس نہ کیا گیا اور ایک ایسا مضر عقیدہ اختراع کیا جو عام سیاسی کامیابی کے لئے تو مفید ثابت ہوا مگر دینی اعتبار سے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوا۔

یہ وہ گہری تدبیر تھی جس کا اثر روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اور اب لوگ مطاع مطلق نبی کی حیات کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس گروہ کا کہنا یہ ہے کہ حضورؐ کا منصب نبوت ایک جداگانہ چیز تھی۔ لیکن آپ کی زندگی میں بحیثیت عام انسان کے صادر کردہ احکامات قابل پابندی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق نبوت سے نہیں ہے۔

اس عقیدہ کی یہ شاخ بھی پھوٹی کہ حضورؐ کے احکامات جو نبوت سے متعلقہ ہیں تمام قرآن میں جمع ہیں اور اس سے باہر نہیں ہیں۔ یعنی حدیث کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اس عقیدے کی جواز میں وضاعین نے عجیب و غریب قسم کی بحثیں اور توضیحات پیش کیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ آنخضرتؐ کو حضرت علیؓ سے بہت محبت تھی۔ وہ اپنے خاندان کا بہت خیال فرماتے تھے اور یہ باتیں عام فطرت بشری کا نتیجہ تھیں۔ دین سے ان کا کوئی ربط نہ تھا۔ اب یہ امت کی مرضی ہے کہ ان کو مانے یا نہ مانے بہرطور نہ ماننے سے اخراج از اسلام کا کوئی خطرہ نہیں ہے اس مکتب فکر کے ہر قول و فعل سے یہ عقیدہ نمایاں ہوتا ہے۔

چنانچہ جب منصب نبوت کا یوں چاک گریباں کر دیا جائے تو شان نبوی کی تنقیص اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ چنانچہ اولین عربوں نے بلا تکلف یہ کہہ دیا کہ نبی کی حیثیت صرف پیغام رساں جتنی ہے۔ پس محمد رسول اللہ نے قرآن لا کر ہمارے حوالے کر دیا ہم نے مان لیا کہ یہ واقعی اللہ کا ڈاکیہ ہے۔ اب ان کا کام ختم اور ہم پر لازم نہیں ہے کہ اس سے محبت کریں۔ کیونکہ یہ پرستش ہوگی جو شرک ہے۔ چنانچہ عملاً حیات رسولؐ ہی میں بستر مرض پر آپ پر اتہام لگا دیا گیا کہ یہ معاذ اللہ ہزیاں گوئی کر رہے ہیں۔ ہمیں ان کی بات سننے کی کوئی ضرورت نہیں اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔ (یہ موذی جرثومہ دراصل عین حیات پیغمبرؐ ہی میں افزائش پانے لگا تھا) اکثر لوگ نبی کے اقوال پر اعتراض کرتے تھے اور بیشتر افعال پر نکتہ چینی کرنے کے عادی تھے۔ حتیٰ کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنگ آکر مجبوراً" یہ فرمانا پڑا کہ

"بخدا تم ایسے ہی لوگ ہو جیسے بنی اسرائیل تھے جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارے لئے ایسا ہی خدا بنا دو جیسا کہ کفار کا ہے۔"

اس عقیدہ کے موجدین میں سے ایک صاحب کی شہادت ہم بلا تبصرہ ہدیہ

قارئین کرنا پسند کریں گے۔

"جناب رسولؐ کریم محبت علیؑ کے مبالغے میں حق کو چھوڑ کر باطل کی جانب ہو جاتے تھے۔ اسلام کی بہتری کا خیال نہ رہتا تھا۔ مجھ میں اسلام کی ہمدردی آپؐ سے زیادہ تھی لہٰذا تحریر وصیت میں رکاوٹ بن گیا۔ حضورؐ کی یہ خواہش رضائے الٰہی کے برعکس تھی۔" (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج۳ ص۹۷، تاریخ بغداد، احمد ابن ابی طاہر)

اب بتایئے باقی کیا رہ گیا؟ اس اقبال کے بعد مزید کسی شہادت کی ضرورت نہیں مگر ہم شمس العلماء شبلی نعمانی کے خیالات سے قارئین کو مستفید کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

"نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً" لوگ غلطی کرتے آئے ہیں۔ اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلہ کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا۔ (خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعین، ام ولد کی خرید و فروخت) وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریق مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظرانداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے۔ (الفاروق حصہ دوم ص۲۰۸ اور ۲۰۹)

اس اقتباس سے ہمارا مدعا حاصل ہوا مگر توجہ طلب امر یہ ہے کہ حیات نبوی کی

نبوی و غیر نبوی حدود کا تعین و امتیاز کس پیانہ سے کیا جا سکے گا۔ یہ کیسے معلوم ہو کہ کون امر نبوی حیثیت سے ہے اور کیا غیر نبوی ہے۔ یہاں خود علامہ شبلی اور امام شافعی کے درمیان تنازعہ پیدا ہو گیا۔ ایک کا موقف ہے کہ یہ امور دائرہ نبوت میں ہیں جبکہ دوسرا کہہ رہا ہے کہ یہ باتیں نبوت سے باہر ہیں۔ اب ایسے اسلام کا جو اس عقیدہ سے پیدا ہو گا کیا اعتبار ہو گا؟ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اقوال و افعال پیغمبرؐ کی مخالفت کرنے کی ممانعت نہ ہو گی۔ اس مذموم عقیدے پر بحث کرتے ہوئے ہمیں تین چیزوں پر خصوصی توجہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ (۱) نبوت (۲) محبت (۳) روح۔ مختصراً" گزارش ہے کہ نبوت کا بنیادی مقصد انسان اور خالق کے درمیان ایک رابطہ استوار کرنا یا سلسلہ قائم کرنا ہے۔ اس تعلق کا نتیجہ تزکیہ نفس ہے۔ تزکیہ کی وابستگی اخلاقیات سے ضرور ہے مگر تزکیہ نفس محض اخلاقیات میں منحصر نہیں کیونکہ بے ایمان اور کافر بھی اعلیٰ اخلاق کا حامل ہو سکتا ہے۔ لیکن ایمان دار صاحب اخلاق اور کافر خلیق میں بہت فرق ہو گا۔ اس لئے کہ حقیقی تزکیہ نفس کے لئے ضروری ہے کہ اول روح موثر ہو اور روح موثر نہیں ہو سکتی ہے مگر روح کے ذریعے۔ اور وہ روح جو لوگوں کی روح کو متاثر کرکے تزکیہ نفس کا باعث ہوتی ہے وہ روح نبی کی ہوتی ہے اور ایک روح کو دوسری سے محض محبت کے ذریعے سے مربوط کیا جا سکتا ہے۔ بغیر محبت کے ایک روح دوسری روح پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے رسولؐ سے محبت کرنے کا صریحی حکم دیا ہے۔ اور اپنی محبت کو اپنے رسول سے پیوستہ کر دیا ہے۔ محبت کس کو کہتے ہیں اور محبت کے شرائط کیا ہیں یہ ایک طویل بحث ہے مختصراً" یہ ہے کہ اصلی محبت کی ایک شناخت یہ ہے کہ اگر عاشق پر معشوق کا رنگ نہ چڑھے اور اس میں معشوق کی صفتیں پیدا نہ ہوں تو سمجھ لو یہ محبت ناقص ہے۔ اگر محبت اصلی اور حقیقی ہے تو جتنا اعلیٰ صفات والا محبوب ہو گا اتنا ہی صفات کا

رنگ حبیب پر چڑھے گا۔ ایک روح کا دوسری روح پر کتنا اثر ہوتا ہے۔ یہ اثر لینے والی روح کی اہلیت اور ظرف پر منحصر ہے۔ اثر دینے والی روح کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر اثر دینے والی روح کی قوت کے مطابق اثر ہوا کرتا تو روح القدس کا اثر فوراً تمام عالم پر چھا جاتا۔ اسی لئے ضرورت ہوئی کہ محبت کامل پیدا کی جائے تاکہ اثر حتمی ہو۔ کامل محبت کی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ محبوب کے محبوب سے محبت کی جائے۔ یہاں عشق مجازی اور عشق حقیقی کی راہیں جدا ہو جاتی ہیں۔ عشق مجازی میں اس کو رقابت کہا جائے گا۔ کیونکہ اس میں خودی یا نفسانیت کی رمق باقی رہ جاتی ہے لیکن عشق حقیقی میں اس کا شائبہ تک نہیں ہوتا لہٰذا وہاں یہ کمال عشق کی نشانی ہے۔ اسی لئے تو فرمایا:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

"کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو تو تم محبوب خدا بن جاؤ گے۔"

لہٰذا نتیجہ برآمد ہوا کہ رسولؐ اللہ کا محبوب رب رسولؐ کا محبوب ہے۔ تبھی تو ساری رسالت کا اجر حضورؐ کے محبوبوں کی محبت کو قرار دیا گیا ہے۔ محبت و روح کوئی افسانوی چیز نہیں۔ اسلامی مسلمات میں تو ہیں ہی مگر جدید سائنس بھی ان سے انکار نہیں کر سکتی۔ چنانچہ سر آلیور لاج نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ جن جن اشخاص سے مرنے والے کو محبت ہوتی ہے اس کی روح کا تعلق مرنے کے بعد بھی رہتا ہے اور اس کی روح کا اثر ان لوگوں پر پڑتا ہے۔ محبت کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ایک روح دوسری روح پر اثر کرے۔ شقی القلب عرب جو ذرا ذرا سی بات پر برس ہا برس خونریزی کرنے کے عادی اور اپنی اولاد کو زندہ درگور کرنے پر فخر کرنے والے تھے۔ محبت سے کیسے آشنا ہو سکتے تھے۔ لہٰذا صرف کلمہ پڑھ لینے سے ان کی

جبلت و خصلت اور فطرت تو یکسر نہیں بدل سکتی تھی۔ ان لوگوں میں ایسا عقیدہ بہت آسانی سے پھیلایا جا سکتا تھا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ محبت و عقیدت کی ہر رسم کو شرک و بدعت سمجھا جاتا ہے۔ امرواقعہ یہ ہے کہ اس عقیدہ نے قوم کے تخیل اور نظریہ پر بڑا پکا اثر ڈالا جس کے نتیجے میں اسلامی تاریخ میں ایسے دل سوز سانحہ جات رونما ہوئے کہ محسن کشی و احسان فراموشی کے اس سے زیادہ ہیبت ناک مناظر کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں ملتے۔ ایک خاص سیاسی مقصد اور اقتدار ارضی کے حصول کی خاطر رسولؐ معصوم کی سخت تنقیص کی گئی۔ حضورؐ کی نبوت کے دائرہ کو چھوٹا بنانے کی ناپاک کوشش' آپؐ کے اختیارات اور طاقت روحانی سے انکار' کار نبوت کا ناروا تجزیہ اور احکام پیغمبرؐ پر بے جا تنقید کر کے اللہ تعالی کی سنگین نافرمانی کا ارتکاب علانیہ کیا گیا۔ حالانکہ خدا نے کئی بار دو ٹوک انداز میں تاکیدی تلقین فرمائی ہے کہ رسول کی اطاعت کلی اور اتباع تامہ ہی دراصل خدا کی فرمانبرداری اور حب الٰہی کا واحد طریقہ اور وسیلہ ہے۔ اللہ نے کسی مقام پر ایسا اشارہ یا کنایہ بھی استعمال نہیں فرمایا کہ جس میں کسی امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اختلاف کیا جائے اور اس مضمون پر ہم ابتدا میں سیر حاصل گفتگو کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ یہی سبب اولیٰ ہے کہ آج برائے نام مسلمانی کے سامنے غیر اسلامی مکاتب فکر کو روز افزوں مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ مسلمان ہر شعبے میں دست نگر اور قلاش ہو رہے ہیں۔ مادی وسائل کی فراوانی' افرادی قوت اور ارضی اقتدار کے باوجود مسلم دنیا رو بہ زوال ہے۔ غیر مسلموں کو ہر جہت سے مسلمانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ حالانکہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ مومن صاحب لولاک ہوتا ہے۔ اسے دنیا کی حسنات نصیب ہوتی ہیں۔ اور آخرت میں سرخروئی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کی جائے گی تو دین و

دنیا میں سعادت مندی یعنی فلاح کونین نصیب ہو گی۔ مگر ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی حالت زار کے پیش نظر یہ وعدہ خدا تادم تحریر منتظر ایفاء ہے۔ ہمارا محتاط تجزیہ یہی ہے کہ کلمہ پڑھنے والوں نے اتباع پیغمبر اور اطاعت نبی کے حکم الہٰی کو عملاً محتاج تعمیل رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات سے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوتے ہیں۔ اعمال نیک بجا لانے کے باوجود ثمرات نیک ظاہر نہیں ہوتے شاید اس لئے کہ سرتابی حکم کے باعث احباط اعمال ہو جاتا ہے جس کی ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی۔

لیکن کچھ تو ضرور ہیں جنہوں نے اتباع رسول اور اطاعت پیغمبرؐ کے حکم کو بسرو چشم مان کر عملاً اس کی تعمیل ایسی شاندار طرز کے ساتھ فرمائی کہ عاشق و معشوق کے رنگ میں یکسانیت غالب آ گئی۔ مطیع و مطاع میں پہچان کرنا دشوار ہو گیا۔

ہم مثال کے طور پر ایک مطیع رسولؐ کا اقبال نقل کرکے اپنے قارئین کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ پیغمبرؐ کا یہ تبع اطاعت و اتباع میں ایسے درجہ معراج پر فائز ہے کہ خود مطاع کلی، سید المرسلین رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا کہ یہ مجھ سے ہے میں اس سے ہوں۔ میں اور یہ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں۔ میں اس کا ہوں یہ میرا ہے۔ میرا لہو اس کا لہو ہے۔ اس کا گوشت میرا گوشت ہے۔ اس کی محبت میری محبت ہے۔ یہ میرا نفس ہے۔ جس نے اس کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اس کا اتباع میرا اتباع ہے۔

مقام مطیع رسولؐ

چنانچہ اپنے مربی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے کے صلہ میں اور اتباع پیغمبرؐ کے عوضانہ میں جو انعام اس مطیع کامل کو موصول ہوا یہ ان ہی کی

زبان مبارک سے سنئے۔ یہ وہ زبان ہے جس کو "لسان اللہ" کے نام سے جانا گیا ہے۔ چنانچہ سید اولیاء امام المتقین' امیرالمومنین مولائے کائنات مطیع سرور کائنات حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :

"میں نون و القلم ہوں۔ اور میں نور ہوں تاریکیوں کو روشن کرنے والا ہوں۔ میں ہی صراط مستقیم ہوں۔ میں فاروق اعظم ہوں۔ میں علم کا مخزن اور حلم کا معدن ہوں۔ میں بناء عظیم ہوں اگلے پچھلے علوم کا وارث ہوں۔ میں ستاروں کا ہیولا ہوں۔ میں اسلام کا ستون ہوں۔ بتوں کو توڑنے والا ہوں۔ شیر زرغام ہوں۔ اہل ہم و غم کا مونس ہوں۔ مجھے ہر فخر زیب دیتا ہے۔ میں صدیق اکبر ہوں۔ میں امام محشر ہوں۔ میں ساقی کوثر ہوں۔ میں صاحب علم و لواء ہوں۔ میں پوشیدہ امور کی قرار گاہ ہوں۔ میں آیات الٰہی کا مجمع ہوں۔ میں پریشانیوں کو رفع کرنے والا ہوں۔ میں غموں کو دور کرنے والا ہوں۔ میں کلمات الٰہیہ کا محافظ ہوں۔ مردے مجھے پکارتے ہیں۔ میں مشکلوں کو حل کرنے والا ہوں۔ میں شبہات کو دور کرنے والا ہوں۔ میں جنگوں کو فتح کرنے والا ہوں۔ میں صاحب معجزات ہوں۔ میں نہایت طویل جبل متین ہوں۔ میں فضیلتوں کا مصدر ہوں۔ میں قرآن کا محافظ ہوں۔ میں ایمان کی تشریح کرتا ہوں۔ میں جہنم و جنت کو تقسیم کرنے والا ہوں۔ میں اژدر سے باتیں کرنے والا ہوں۔ میں بت شکن تمام ادیان کی حقیقت ہوں۔ میں فیض کے چشموں سے ایک عظیم چشمہ ہوں۔ میں سرداروں کا سردار ہوں۔ میں شجاع لوگوں کو پست کرنے والا ہوں۔ میں شہسوار میدان شجاعت ہوں۔ میں متی کا سوال ہوں۔ اہل اتی کا مقصود و ممدوح ہوں۔ میں شدید القویٰ' حامل لواء حمد ہوں۔ میں تکلیفوں کا دور کرنے والا ہوں۔ میں ہر موجود شے کی انتہا ہوں۔ مجھ سے دنیا کی حفاظت ہے۔ میں جنگ کو تیز کرنے والا ہوں۔ میں باغیوں کو قتل کرنے والا ہوں۔ مجھے علم لدنی عطا کیا گیا ہے۔ میں خدا کا منتخب شدہ بندہ

ہوں۔ میں جھگڑوں کو طے کرنے والا ہوں۔ میں وحیوں کا مقام ودیعت ہوں۔ میں معدن عدل ہوں۔ میں پرہیز گاری و عصمت محض ہوں۔ میں وہ رجال الاعراف ہوں جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ میں معارف و علوم کا مخزن ہوں جنوں کو قتل کرنے والا ہوں۔ میں دین کا سردار ہوں۔ میں وہ صالح المومنین ہوں جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ میں امام المتقین ہوں۔ میں صدیقوں کا سردار ہوں۔ حبل المتین ہوں۔ دین کا عظیم ترین سردار ہوں۔ میں مومن کا صحیفہ ہوں۔ میں امام الامین ہوں۔ میں مضبوط جوشن ہوں۔ میں دو تلواریں چلانے والا ہوں۔ میں دو نیزوں سے لڑائی لڑنے والا ہوں۔ فاتح بدر و حنین ہوں۔ میں ہم نفس رسولؐ ہوں۔ میں شوہر فاطمہؑ ہوں۔ میں اللہ کی کھینچی ہوئی تلوار ہوں۔ میں بیماروں کے لئے شفا ہوں۔ مسئلوں کا حل کرنے والا ہوں۔ میں ایک وسیلہ ہوں' میں دروازوں کو اکھاڑنے والا ہوں۔ میں کفار کے گروہوں کو بھگانے والا ہوں۔ میں سردار عرب ہوں۔ میں مصائب و رنج کو دور کرنے والا ہوں۔ پیاسوں کو پانی پلانے والا ہوں۔ میں فرش رسولؐ پر سونے والا ہوں۔ میں بڑا ہی قیمتی جوہر ہوں۔ میں باب مدینہ علم نبیؐ ہوں۔ میں کلمہ حکمت ہوں۔ میں شریعت کا واضح کرنے والا ہوں۔ میں امانتوں کا محافظ ہوں۔ میں کفر کی جڑ اکھاڑنے والا ہوں۔ میں اماموں کا باپ ہوں۔ میں شرف و بزرگیوں کا شجر عظیم ہوں۔ میں فضائل کا معدن ہوں۔ رسالت کا جانشین ہوں۔ میں شجاعت کا منبع ہوں۔ میں رسولؐ مختار کا وارث ہوں۔ طاہر ہوں مطہر ہوں۔ میں نور کا چراغ ہوں۔ میں تمام امور کا خلاصہ ہوں۔ میں اصلی نور کی چمک ہوں۔ میں صاحب بصیرت عظیم ہوں۔ میں علوم کا خزینہ ہوں۔ میں بنی نوع انسان کے لئے بشارت ہوں۔ میں (رسولؐ کا) مقرر کیا ہوا شفیع محشر ہوں۔ میں بشیر و نذیر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ابن عم ہوں۔ میں سخاوت کا سرچشمہ ہوں۔ میں جنت کا آراستہ کرنے والا زیور ہوں' میں بیضتہ البلد ہوں۔

میں جہاد کی تلوار ہوں۔ میں شیر خدا ہوں۔ میں مشہود کا گواہ ہوں۔ میں ہی عہد ہوں۔ میں بخششوں کا عطا کرنے والا ہوں۔ خرابیوں کی درستگی کرنے والا ہوں۔ میں سر الاسرار ہوں۔ میں سختیوں اور تنگیوں میں لوگوں کی فریاد کو پہنچنے والا ہوں۔ میں جنب اللہ ہوں' میں وجہ اللہ ہوں۔" (توضیح الدلائل از سید شہاب الدین)

اطاعت نبوی اور اتباع رسولؐ کا یہ انعام ہے کہ مطیع محبوب خدا ہو کر مظہر خدا ہو جاتا ہے۔ جوں جوں اطاعت و اتباع میں ترقی ہو گی تو محبت کے جوہر میں آبداری پیدا ہو گی۔ کائنات پر تصرف حاصل ہو تا جائے گا' ڈھلتا سورج اشارہ انگشت سے پلٹ آئے گا۔ حتیٰ کہ ایک مقام یہ آ جائے گا کہ مخلوق پر خالق ہونے کا شبہ ہونے لگے گا۔ قاری قرآن بن جائے گا اور محبت کے رنگ میں اتنا رنگا جائے گا کہ محب و محبوب میں امتیاز کرنا مشکل نظر آئے گا۔ عقل محو تماشہ ہو جائے گی اور فہم و ادراک عاجز پر مجبور ہوں گے۔

اطاعت گذار رسولؐ کی شان یہ ہے کہ جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی جنگل سے گزر رہے تھے۔ اس میں موذی درندوں اور جانوروں کی بہتات تھی لوگ اس راستے کو بہت خطرناک سمجھتے تھے مگر آپ نے حکم دیا کہ اے جنگل کے جانورو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں سلمان محمدیؐ ہوں لہٰذا جنگل کو خالی کر دو۔ چنانچہ حکم پاتے ہی تمام جانوروں نے اطاعت کی اور جنگل سے نکل گئے یوں آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بلا خوف و خطر جنگل سے گذر گئے۔

اس کے برعکس غیر اطاعت گزار لوگوں کو مادی جاہ و حشم کے باوجود حقیقی اطمینان نصیب نہ ہوا۔ اور ان کو اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے دنیا نے یہ کہتے سنا کہ :

"کاش میں سبز چارہ ہوتا کہ چوپائے مجھے کھا جاتے۔"

"کاش میں تنکا ہوتا۔ کاش میں کچھ نہ ہوتا۔ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔"

آخری وقت ایک وسیع سلطنت کے فرمانروا نے اقرار کیا کہ:

"بخدا اگر دنیا کی ساری چیزیں جن پر سورج چمکتا ہے میری ہوتیں تو اب جو میرے اوپر آنے والا ہے اس کے فدیہ میں ان سب اشیاء کو دے دیتا۔"

مگر مطیع رسولؐ کو جب مسجد میں سر اقدس پر مہلک ضرب لگی تو فرمایا فزت و رب الکعبہ یعنی بخدا اب میں کامیاب ہو گیا۔

اسی مطیع کے ایک مطیع فرزند نے میدان کربلا میں اپنا سب کچھ لٹا کر سجدہ شکر ادا کر کے اپنے کامیاب ہونے کی زریں سند حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ زمانے بھر نے ان دونوں مطیعوں کو جی بھر کر خراج تحسین ادا کیا۔ اور ایک مفکر نے لاکھوں پر بھاری بات کی کہ:

اسلام کے دامن میں اور اس کے سوا کیا ہے؟
اک ضرب ید اللہی اک سجدہ شبیری

بے شک اسلام طاعت لامر اللہ ہے اور اسد اللہ الغالب ید اللہی امیر المومنین علی علیہ السلام اور سید الشباب اہل الجنتہ امام عالی مقام حسین مظلوم سلام اللہ علیہ نے جس انداز سے اطاعت رسولؐ اور اتباع پیغمبرؐ کا عملی مظاہرہ زمانے کے سامنے پیش کیا ہے اس کی مثال تلاش کرنا امر محال ہے۔ لہٰذا اگر علیؑ و حسینؑ کو الگ کر کے اسلام کو پیش کیا جائے تو بلا شبہ اسلامی دامن خالی نظر آئے گا۔ پس حقیقی اسلام جو عالمگیری ضابطہ حیات ہے۔ تمام مادی و روحانی مسائل کا واحد حل ہے۔ اس کے یہی دو محکم ستون ہیں جو اطاعت نبوی اور اتباع رسولی پر اساس رکھتے ہیں یہی حقانیت اسلام کی اٹل دلیل ہیں۔ **و ما علینا الا البلاغ**